دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

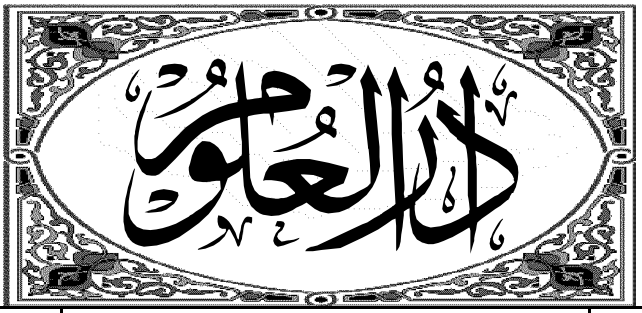

جلد: ۱۰۰ | محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶ء | شمارہ: ۱۰

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 100, Issue No. 10, October 2016 अक्तूबर 2016
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Habibur Rahman Azmi
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا	صاحبزادہ ڈاکٹر قاری عبدالباسط محمد	۶
۳	محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کا حکم	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۱۷
۴	شادی بیاہ کے موقع پر ذات برادری کی تلاش.....	مفتی محمد فیاض قاسمی	۲۵
۵	علمِ مقاصدِ شریعت: تعارف اور جائزہ	مدثر جمال تونسوی	۲۹
۶	مدارس میں شعبۂ حسابات کا قیام اور اس میں.....	نور ولی شاہ	۳۷
۷	مولانا حکیم ظہیر احمد فیض آبادیؒ: کچھ یادیں کچھ باتیں	مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی	۴۷
۸	خیر الکلام فی کشف أوہام الأعلام	مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی	۵۱
۹	تبصرہ	.....	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ہر قوم اور ملت کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے، جس کے ذریعہ اس کی قومی شناخت اور ملّی تشخص قائم رہتا ہے اور اس کا معاشرہ شکست وریخت اور دوسری تہذیبوں میں جذب ہونے سے محفوظ رہتا ہے؛ البتہ دیگر اقوام ومذاہب کے معاشرتی آئین بالعموم خود ان کے اپنے وضع کردہ عادات اور رسوم پر مبنی ہوتے ہیں، جن کا مذہب سے تعلق برائے نام ہی ہوتا ہے؛ جب کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ عبادات ومعاملات وغیرہ کی طرح اسلامی نظامِ معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خدا اور رسول خدا ﷺ کے ارشادات وہدایات کی بنیاد پر ہیں۔ اس لیے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں خدائے واحد ہی کے احکام وقوانین کی عمل داری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے: "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ (اعراف:۵۴) یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے- خالق ہونا- اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں والے ہیں اللہ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے رسول کو یہ ہدایت دی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجاثیۃ:۱۸)

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا، لہٰذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلیں۔

قانون الٰہی کے اساسی مجموعہ قرآن کے مقصد نزول کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ (النساء: ۱۰۵)

بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ قرآن بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ اس کے مطابق

فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

احکام خداوندی کو نظرانداز کرنے والوں کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدۃ:٤٤)

اور جولوگ اللہ کے بتائے ہوئے احکام وقوانین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ منکر ہیں ان آیاتِ قرآنیہ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) تشریع اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، (۲) نبی کریم ﷺ ان قوانین کا نفاذ فرماتے ہیں، (۳) خدا کے مقرر کردہ احکام میں کسی کو تغیر وتبدل کا اختیار نہیں۔ ایسا کرنے والے اللہ کے نزدیک منکر، ستم کار اور نافرمان ہیں۔

اسلام کا یہ نقطۂ نظر اتنا واضح اور روشن ہے کہ مستشرقین بھی اس سے چشم پوشی نہیں کرسکے اور انھیں اس کا اعتراف کرنا پڑا؛ چنانچہ مشہور مستشرق ''کولسن'' اقرار کرتا ہے کہ اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد قانون ساز ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے احکام کا غلبہ ہے۔ (اے ہسٹری آف اسلامک لا، کولسن، ص:۱۲۰)

فیز جیرالڈ بھی اسے تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے: ''اسلام اللہ تعالیٰ کو واحد قانون ساز وصاحب تشریع قرار دیتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو بھی اس کا شریک نہیں گردانتا'' (دی الیجڈ ڈٹ آف اسلامک ٹو مین، فیز جیرالڈ، ص:۸۲، ج:۶۸)

گوائے ٹائن مستشرق بھی معترف ہے کہ دقیق قانونی معاملات بھی دین سے مربوط ہیں؛ بلکہ وہ وحی الٰہی کا ناقابل تقسیم حصہ ہیں شریعت ایسے عصری تقاضوں کا مجموعہ نہیں ہے جو قرآن اور نبی (ﷺ) کے بعد مرتب ہوئے ہوں؛ بلکہ اسلامی معاشرہ میں ان کا باضابطہ نفاذ خود رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی زندگی میں کیا۔'' (اسٹڈیز ان اسلامک ہسٹری، گوائے ٹائن، ص:۱۲۹)

آیئے اب دستور ہند پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں اور دیکھیں کہ سیکولر ہندوستان میں بسنے والی اکائیوں کو وہ کیا حقوق دیتا ہے، اس سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کی دفعہ (۲۵) میں یہاں کے ہر شہری کو کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس پر قائم رہنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ اور پرچار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ (۲۶) کی رو سے مسلمانان ہند جداگانہ ایک مذہبی گروہ قرار پاتے ہیں اور انھیں اپنے مذہبی امور کو منظم کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دفعہ (۲۹) مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا حق اور اختیار دیتی ہے۔ دفعہ (۳۰) کے تحت انھیں تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام سنبھالنے کا حق ملتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوچکا ہے کہ مسلمان اپنی کمیونٹی اور انفرادیت کی بقا اور جداگانہ شناخت کے لیے جن عناصر کو تسلیم کرتے ہیں وہ ان کا عالم گیر مذہب، ان کی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب اور مخصوص معاشرتی اقدار ہیں جنھیں آئین ہند کا طاقتور تحفظ بھی حاصل ہے، اس لیے یکساں سول کوڈ کا نعرہ بلند کرنے والے نہ صرف مسلمانوں کے مذہب میں بیجا مداخلت کررہے ہیں؛ بلکہ آئین ہند کے بنیادی کردار کا بھی مضحکہ اڑاتے ہیں؛ اس لیے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

(۱) کیا اس نظریہ کو پیش کرنے والے آئین ہند کے وفادار ہیں؟

(۲) کیا سول کوڈ کے نفاذ کے بعد ہندوستان کی سیکولر حیثیت محفوظ رہ جائے گی؟

(۳) کیا اس عظیم ملک میں جہاں مختلف مذہب، مختلف تہذیب ومعاشرت کے لوگ رہتے ہیں یکساں سول کوڈ کا نفاظ ملک میں انتشار اور خانہ جنگی کا سبب نہیں بنے گا؟

(۴) کیا مسلمان! مسلمان رہتے ہوئے اس نظریہ کو قبول کرسکتے ہیں۔

(۵) کیا اس نظریہ کو قبول کرلینے اور اپنی زندگی میں نافذ کرلینے کے بعد مسلمانوں کی علاحدہ شناخت اور ان کا ملی تشخص باقی بچے گا؟

(۶) پھر یہ سِول کوڈ کیا ہوگا؟ ملک کے مختلف النوع مذاہب میں سے کس مذہب اور تہذیب وتمدن سے اخذ کرکے ملک کے سارے شہریوں کو اس پر قانوناً مجبور کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت سے پہلے کمیشن لا کا سوال نامہ ملک وقوم کو مبتلائے فریب کرنا ہے اور ایک موہوم وغیر معلوم شئے کے لیے حکومت کی مشینری کا استعمال کسی سیاسی پارٹی کی سیاسی اغراض کے لیے چاہے نفع بخش ومفید ہو، ملک وقوم کے حق میں تو قطعی طور پر بے سود اور بیکار محض ہے؛ بلکہ ملک کے متحدہ سیکولر قدروں کے لیے زہر قاتل ہے۔

اس لیے بجا طور پر یہ امید کی جاتی ہے کہ ان جیسے سوالات پر بہی خواہان ملک، علمائے ملت، دانشوران قوم، سیاسی رہنما اور وطن عزیز کے اصحابِ فکر ورائے ہر قسم کے مذہبی، قومی، سیاسی جنبہ داریوں سے اوپر اٹھ کر پوری بالغ نظری سے غور وخوض کرکے کوئی ایسا صحیح فیصلہ کریں گے جو ملک وقوم کے حق میں باعثِ اطمینان واستحکام ہو، اس وقت سیاسی اغراض اور اپنی دیرینہ تمناؤں کو بروئے کار لانے کے لیے ملک عزیز کو ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کردیا گیا ہے کہ ہماری ذرا سی غفلت اور پہلوتہی ہمیں ایک ایسے فکری انتشار میں مبتلا کردے گی جس سے ملک کے لخت لخت ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

تاریخ کا یہ جبر بھی ان آنکھوں نے دیکھا ہے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

از: صاحبزادہ ڈاکٹر قاری عبدالباسط محمد
مجمع عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم حی العزیزیہ، جدہ

آج کل بعض حلقوں میں نمازِ تراویح اور قیام اللیل میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کا رواج ہوگیا ہے، عرب ممالک کی بیشتر مساجد میں یہ وبا عام ہوچکی ہے۔ ظاہری بات ہے کہ تراویح کا یہ طریقہ حفاظتِ قرآن کے لیے سمِ قاتل سے کچھ کم نہیں، اس سے حفاظتِ قرآن کا ایک اہم ذریعہ متاثر ہوجائے گا؛ کیوں کہ حفاظت قرآن کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں، ایک سینہ، دوسرے صحیفہ۔ پہلا ذریعہ تو اسلام کے امتیازات میں سے ہے، حفاظتِ قرآن کا یہ بے نظیر اور عظیم الشان طریقہ پہلی قوموں میں نہیں پایا جاتا، آج امت تک اگر قرآن من وعن پہنچا ہے تو اس میں صحیفہ سے زیادہ سینہ کا دخل ہے؛ اسی لیے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ رَأْيَةِ الْإِسْلَامِ ''حافظِ قرآن درحقیقت اسلام کا علمبردار ہے'' (التبیان: ۵۵)۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلا ذریعہ حفاظت قرآن سینہ بہ سینہ کا کیا مقام ومرتبہ ہے۔ قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر حفظ قرآن میں کمی آتی ہے تو اسلام کی شان وشوکت میں کجی آجائے گی۔ پیش نظر مسئلہ ''نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا'' اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ وہ جائز ہے یا نہیں؛ حفاظتِ قرآن میں حد درجہ مخل ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے حفظ قرآن سے بے اعتنائی پائی جاسکتی ہے، امت میں حفظِ قرآن کا جو رجحان پیدا ہوا ہے، اس میں کمی آسکتی ہے اور حفاظ میں غفلت اور لاپرواہی پیدا ہوسکتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دین اسلام کا یہ امتیاز ملیامیٹ ہوجائے گا اور نعوذ باللہ قرآن سینوں سے ہٹ کر صرف صحیفوں تک محدود رہ جائے گا۔

مسئلہ کا ایک پہلو تو یہ ہے جو کہ دینی بھی ہے اور قومی بھی۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آیا نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں کتاب وسنت میں کیا ہدایات ہیں؟ سلف صالحین نے کیا رہنمائی فرمائی ہے؟ کتب فقہ میں کیا حکم ہے؟ یہ ایک مفصل گفتگو ہے، جس کو ہم

آئندہ صفحات میں حتی الامکان سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔

''نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا'' قرآن وحدیث کی نظر میں:

۱- قرآن میں ہے ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرۃ: ۱۴۴) ''اب آپ اپنا رخ مسجدِ حرام کی سمت کرلیں''۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن مجید امام کے دائیں طرف رکھا ہوا ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد امام، دائیں جانب رکھے گئے قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس طرح کہ پیچھے سے دیکھنے والا اچھی طرح یہ محسوس کرتا ہے کہ امام کا چہرہ بالکل سیدھے قبلہ کی طرف نہیں ہے؛ بلکہ دائیں جانب رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف ہے؛ حالاں کہ استقبال قبلہ میں مرکزی کردار چہرے کے استقبال کا ہوتا ہے؛ کیوں کہ چہرہ ہی پورے انسانی ڈھانچے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگر چہرے کا استقبال نہ ہو تو بے رخی اور عدم دل چسپی کا احساس ہوتا ہے؛ جب کہ یہ توانابت اور کمالِ توجہ کا مقام ہے، یہ الگ بات ہے کہ صرف ڈھانچے اور سینے کا استقبال بھی کافی ہوسکتا ہے؛ لیکن کمالِ ادب یہی ہے کہ ایک ایک عضو کا استقبال ہو؛ چنانچہ کمال توجہ کی اسی حد کو ملحوظ رکھ کر شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: يتوجه المصلي إلى القبلة أينما كان بجميع بدنه. (هداية الحائرين، صفة صلاة النبي: ۲۹۷) ''مصلی جہیں کہیں بھی ہو استقبال قبلہ ضروری ہے، بدن کے ایک ایک عضو کے ساتھ۔''

۲- نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الأَحْلَامِ وَالنُّهٰى. (صحيح مسلم، حديث: ۴۳۲) ''نماز میں میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو سمجھدار اور صاحبِ علم ہیں۔'' اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حدیث کا کوئی مطلب ہی نہیں بنے گا؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان درحقیقت امت کے لیے یہ تعلیم تھی کہ امام کے پیچھے اور امام کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحبِ علم اور صاحبِ فہم وذکاء ہیں تاکہ نماز میں اگر کوئی بھول چوک ہوجائے تو یہ امام کو لقمہ دیں اور بھول چوک کی تلافی ہوسکے۔ اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ نہ فرماتے۔ الغرض آپ کا یہ فرمان اشارے اور کنایے میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔

۳- نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي. (صحيح البخاري، حديث: ۶۳۱) ''اس طرح نماز پڑھو جیسے تم لوگ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔'' دورِ نبوی کی تیئس سالہ زندگی میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ علیہ السلام نے یا آپ علیہ السلام کی موجودگی

میں صحابہؓ نے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھا ہو؛ حتی کہ ابتدائی دور میں تو نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت بھی تھی؛ لیکن اس دور میں بھی دیکھ کر پڑھنا ثابت نہیں۔

۴- عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ. (سنن أبي داود، حديث: ٤٦٠٧) ''میری سنت (میرے طریقے) کو اور خلفاء راشدین کی سنت (کے طریقے) کو لازم پکڑو''۔ عہد خلفاء راشدینؓ میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اُن حضرات نے نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کی اجازت دی ہے؛ البتہ سیدنا عمرؓ سے ممانعت ضرور ثابت ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نَهَانَا أميرُ المُؤمِنِيْنَ عُمَرُ رضى الله عنه أَن يَؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ، وَنَهَانَا أَن يَّؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ. (كتاب المصاحف، هل يؤم القرآن فى المصحف: ١٨٩) ''ہمیں امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کرے اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے۔''

۵- قیام کی حالت میں مصلی کے لیے مستحب ہے کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہو؛ کیوں کہ اس سے دلجمعی پیدا ہوتی ہے اور خشوع وخضوع کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ دیکھ کر قرآن پڑھنے کی صورت میں نگاہ یقیناً قرآن مجید کے صفحات وحروف پر ہوگی، جس سے نماز کا ایک اہم ادب فوت ہوجائے گا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: قال شريك القاضي: ينظر في حال قيامه إلى موضع سجوده كما قال جمهور الجماعة، لأنه أبلغ في الخضوع وآكد في الخشوع وقد ورد به الحديث. (تفسير ابن كثير سورة البقرة: ١٤٤) ''حضرت شریک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیام کی حالت میں مصلی کی نظر سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہیے، جمہور نے یہی فرمایا ہے؛ اس لیے کہ یہ خشوع وخضوع کی اعلیٰ ترین کیفیت ہے اور اس سلسلے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں لکھا ہے: ينبغى للمصلي إذا قام في صلاته أن يرمي ببصره إلى موضع سجوده، وهو قول أبى حنيفة رحمه الله. (الموطا، باب وضع اليمين على اليسار، حديث: ٢٩١) ''مصلی جب قیام کی حالت میں ہو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔''

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کی نماز پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں لکھا: وَكَانَ ﷺ إِذَا صَلّٰى طَأْطَأَ رَأْسَهُ وَرَمٰى بِبَصَرِهِ نَحْوَ الْأَرْضِ. (أصل صفة صلاة النبى

ﷺ: ۱ ..... ۲۳۰) ''جب آپ نماز پڑھتے تو سر کو جھکائے رکھتے اور نگاہ کو زمین کی طرف لگائے رکھتے تھے۔''

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كانوا يستحبون أن ينظر الرجل في صلاته إلى موضع سجوده. (تعظيم قدر الصلاة: ۱/۱۹۲) ''مستحب یہ ہے کہ آدمی نماز میں اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے۔''

حدیث میں ہے: فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ. (سنن الترمذی، حدیث: ۲۸۶۳، مستدرك الحاكم، حدیث: ۸۶۳) ''جب نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر نہ دیکھو؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں اپنا چہرہ بندہ کے چہرہ کی طرف اس وقت تک کیے رکھتے ہیں؛ جب تک بندہ اپنا رخ نہیں پھیرتا۔''

ایک اور حدیث میں ہے: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْكَعْبَةَ مَا خَلَفَ بَصَرُهُ مَوْضِعَ سُجُوْدِهِ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهَا. (المستدرك للحاكم، حدیث: ۱۷۶۱) ''جب آپؐ کعبہ میں داخل ہوئے تو اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ سے نہیں اٹھائی؛ یہاں تک کہ آپؐ کعبہ سے باہر تشریف لے آئے۔''

۶- نماز پڑھتے ہوئے سکون وطمانینت اور خشوع وخضوع کا حکم ہے، قرآن دیکھ کر پڑھنے میں وہ سکون وطمانینت اور خشوع وخضوع نہیں رہتا؛ کیوں کہ ساری توجہ قرآن پر ہوتی ہے، قرآن کھولنے، بند کرنے اور اوراق پلٹنے میں کہاں خشوع پیدا ہوسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ يَنْبَغِي أَن يَّكُوْنَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يُشْغِلُ الْمُصَلِّيَ. (سنن أبي داود، حدیث: ۲۰۳۰، مسند أحمد، حدیث: ۱۶۶۳۶) ''گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کرتی ہو۔''

۷- یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا حفاظتِ قرآن کے لیے سخت مضر ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا. (صحيح البخاری، حدیث: ۵۰۳۳) ''قرآن کی نگہ داشت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً قرآن کریم رخصت ہونے اور سینوں سے نکل جانے میں اونٹ کے اپنے بندھن سے بھاگنے سے زیادہ تیز ہے۔''

''نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا'' اقوال سلف کی نظر میں:

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب المصاحف'' میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے کے حوالے

سے ایک باب قائم کیا ہے: "هل يؤم القرآن في المصحف"، جس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے مختلف آثار نقل کیے ہیں، اس کے بعد "وقد رخص في الإمامة في المصحف" کا عنوان لگا کر ان حضرات کے آثار نقل کیے ہیں، جنھوں نے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ امام ابوداؤد نے ان کو پہلے ذکر کیا ہے جن آثار میں ممانعت ہے اور جن آثار میں اجازت ہے انھیں بعد میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ممانعت اور عدمِ جواز کے قائل ہیں اور پھر "وقد رُخص" کا لفظ استعمال کیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت اگر ہے تو وہ عمومی نہیں ہے؛ بلکہ بہ وقتِ مجبوری ہے۔ ذیل میں مذکورہ باب سے چند اہم آثار کو نقل کر دینا استفادے سے خالی نہیں۔

۱- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہمیں امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کریں اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرُ رضي الله عنه أَنْ يَّؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ وَنَهَانَا أَنْ يَّؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ".

۲- قتادہ، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے مصلی کو کچھ یاد ہے تو وہی بار بار پڑھے؛ لیکن قرآن دیکھ کر نہ پڑھے۔

"عن قتادة عن ابن المسيب قال: إِذَا كَانَ مَعَهُ مَا يَقُوْمُ بِهِ لَيْلَهُ رَدَّدَهُ وَلَا يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ.

۳- لیث، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے، اس وجہ سے کہ اس میں اہل کتاب سے تشبہ ہے، "عن ليث عن مجاهد أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَّتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ يَعْنِي أَنْ يَّؤُمَّهُمْ فِي الْمُصْحَفِ".

۴- اعمش، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اہل قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو سخت ناپسند کرتے تھے؛ کیوں کہ اس میں اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ "عن الأعمش عن إبراهيم قال: كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ أَنْ يَّؤُمَّ الرَّجُلُ فِي الْمُصْحَفِ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً أَنْ يَّتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ". اس کے علاوہ بھی اور بہت سے آثار امام ابوداؤد نے نقل کیے ہیں، مزید تفصیل کے لیے کتاب المصاحف (۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱) کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵- خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی رمضان کے مہینے میں لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرارت،

قرآن میں دیکھ کر کرے اور فرماتے تھے کہ یہ اہلِ کتاب کا عمل ہے: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَانَ يَكْرَهُ أَن يَؤُمَّ الرَّجُلُ النَّاسَ بِاللَّيْلِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْمُصْحَفِ هُوَ مِنْ فِعْلِ أَهْلِ الْكِتَابِ. (تاریخ:۹/۱۲۰)

معلوم ہوا کہ اکثر اہلِ علم نے اس کو باطل گردانا ہے۔ بعض علماء نے اگر کچھ نرمی برتی بھی ہے تو بلا ضرورتِ شدیدہ کے جائز کسی نے نہیں کہا ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: إن هذا الصنيع مكروه بلا خلاف" (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۳) ''نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے''۔

پھر بھی چوں کہ سلف میں سے بعض نے اجازت دی ہے (قطع نظر اس کے کہ وہ اجازت ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے ہے یا بلا ضرورت بھی اجازت ہے) اس لیے کچھ لوگ جواز کے قائل ہوئے ہیں اور استدلال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل پیش کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے: وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ. (صحیح البخاری، باب إمامة العبد والمولى) ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام ذکوان قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتے تھے۔'' یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح ہے: كَانَ يَؤُمُّ عَائِشَةَ عَبْدٌ يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ. (حدیث:۷۲۹۳) ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام ذکوان نماز پڑھاتے تھے اور وہ قرآن دیکھ کر قراءت کرتے تھے۔''

اس اثر کے متعلق علامہ البانی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وما ذكر عن ذكوان حادثة عين لا عموم لها. (فتح الرحمن: ۱۲٤) ''اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ذکوان کی امامت کا جو واقعہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک جزوی اور خصوصی واقعہ ہے عمومی نہیں ہے۔''

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وأما حديث ذكوان فيحتمل أن عائشة ومن كان من أهل الفتوى من الصحابة لم يعلموا بذلك وهذا هو الظاهر بدليل أن هذا الصنيع مكروه بلا خلاف ولو علموا بذلك لما مكنوه من عمل المكروه في جميع شهر رمضان من غير حاجة، ويَحْتَمِلُ أن يكون قول الراوي كان يؤم الناس في شهر رمضان وكان يقرأ من المصحف إخبارا عن حالتين مختلفين أي كان يؤم الناس في رمضان وكان يقرأ من المصحف في غير حالة الصلاة. (بدائع الصنائع:۲/۱۳۳، ۱۳٤)

''سیدنا ذکوان والی حدیث میں احتمال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کو معلوم نہ

ہوا ہو کہ وہ دیکھ کر پڑھ رہے ہیں اور یہی مناسب بھی معلوم ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ (نماز میں) قرآن دیکھ کر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔اگر انھیں اس حالت کا پتہ ہوتا تو ہرگز ایک مکروہ فعل کی اجازت نہ دیتے وہ بھی پورے مہینے بلاضرورت کے اور یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا یہ قول کہ ''ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے'' دو الگ الگ حالتوں کی خبر دینا ہے،یعنی ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور نماز سے باہر قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے۔''

اسی طرح کی بات علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

أثر ذكوان إن صح فهو محمول على أنه كان يقرأ من المصحف قبل شروعه في الصلاة أي ينظر فيه ويتلقن منه ثم يقوم فيصلي، وقيل مادل فإنه كان يفعل بين كل شفعين فيحفظ مقدار ما يقرأ من الركعتين، فظن الراوى أنه كان يقرأ من المصحف. (البناية:٢/ ٥٠٤)

''اس اثر کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس بات پر محمول ہوگا کہ ذکوان نماز شروع کرنے سے پہلے قرآن دیکھتے تھے،پھر ذہن نشین کر کے نماز پڑھاتے تھے،ذکوان ہر دو رکعت بعد یہ عمل کرتے اور اگلی دو رکعت میں جتنا پڑھنا ہوتا وہ یاد کر لیتے۔اسی کو راوی نے اس طرح نقل کر دیا کہ وہ قرآن دیکھ کر قرا،ت کرتے تھے۔''

علامہ کاسانی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما کی بات کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''التلخيص الحبير'' میں اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الاوطار'' میں ذکر کیا ہے،اس اثر میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی بات ہی نہیں:

عن ابن أبي مليكة أنهم كانوا يأتون عائشة بأعلى الوادي هو وعبيد بن عمير والمسور بن مخرمة وناس كثير فيؤمهم أبو عمر و مولى عائشة، وأبو عمر وغلامها حينئذ لم يعتق. (التلخيص الحبير:٢/ ١١٠، نيل الأوطار، باب إمامة العبد الأعمى والمولى:٥٨٦)

''ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور عبید بن عمیر،مسور بن مخرمہ اور بہت سے لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے تھے،تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ابوعمرو سب کی امامت کرتے تھے اور وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہوئے تھے۔''

اور بعض سلف سے جو اجازت منقول ہے وہ اضطراری حالت میں ہے،بلاضرورتِ شدیدہ

کے جائز کسی نے نہیں کہا ہے؛ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ما يعجبني إلا يضطر إلى ذلك. (فتح الرحمن:۱۲۷) ''میں مناسب نہیں سمجھتا الّا یہ کہ اضطراری حالت ہو'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اضطرار کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سمعت مالكا سُئل عمن يؤم الناس في رمضان في المصحف؟ فقال لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك. (كتاب المصاحف: ۱۹۳) ''میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا جب کہ آپ سے رمضان میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں اگر اس کے بغیر کام نہ چلتا ہو۔

قتادہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: إن كان معه ما يقرأ به في ليلة، و إلا فليقرأ في المصحف. (فتح الرحمن:۱۲۸) ''اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے اسے کچھ یاد ہے تو اچھی بات ہے، نہیں تو پھر (بدرجۂ مجبوری) قرآن دیکھ کر پڑھے۔ سعید بن المسیب کا یہی قول کتاب المصاحف میں اس طرح ہے: إن كان معه ما يقوم به ليله ردده ولا يقرأ في المصحف. ''اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے اسے کچھ یاد ہے تو وہی بار بار پڑھے اور قرآن دیکھ کر نہ پڑھے۔''

اب رہی بات ضرورتِ شدیدہ کی اور اضطرار کی تو مفتیانِ کرام اور باحثین فقہ بتائیں گے کہ کیا اس زمانے میں اس درجہ ضرورت کا تحقق ہوسکتا ہے؟ کیا امت حفظِ قرآن سے اس درجہ تہی دست اور تہی دامن ہوچکی ہے؟ کیا مرکزی مساجد کے ائمہ بھی اس لائق نہیں رہے؟ میرے خیال سے تو ضرورت اور اضطرار بقاءِ قرآن کی ہے، نماز میں حفظ سے قرأت لازم قرار دینے کی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حفظِ قرآن کی تبلیغ ہو اور حفاظتِ قرآن کا دائرہ مزید وسیع ہو۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی:

ولا يحل لأحد أن يؤم وهو ينظر ما يقرأ به في المصحف لا في فريضة ولا نافلة، فإن فعل عالما بأن ذلك لايجوز بطلت صلاته و صلاة من ائتم به عالما بحاله عالما بأن ذلك لا يجوز. (المحلى:۳/ ۱۴۰)

''کسی ایسے شخص کے لیے امامت کرنا جائز نہیں ہے جو قرآن میں دیکھ کر قرأت کر رہا ہو، نہ فرض نماز میں اور نہ نفل نماز میں، اگر کسی شخص نے ایسا کیا یہ جانتے ہوئے کہ یہ جائز نہیں اس کی نماز باطل ہوجائے گی اور اس کی اقتداء میں جو نماز پڑھ رہا ہے اس کی نماز بھی باطل ہوجائے گی؛ جب کہ اسے امام کی حالت کا علم ہو کہ وہ نماز کے منافی کام کر رہا ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی:

شیخ ابوانس محمد بن تحی آل عبدالعزیز اور شیخ عبدالرحمٰن محمود بن الملاح نے اپنی کتاب ''فتح الرحمٰن في بيان هجر القرآن'' میں شیخ البانی کا یہ فتوی نقل کیا ہے:

لا نرى ذلك، وما ذكر عن ذكوان حادثة عين لاعموم لها، وبإباحة ذلك لأئمة المساجد يؤدي بهم إلى ترك تعاهد القرآن والعناية بحفظه غيبا وهذا خلاف قوله ﷺ: تعاهدوا القرآن فوالذي نفسي بيده لهو أشد تفصيا من الإبل في عقلها، ومعلوم أن للوسائل حكم الغايات كقولهم مالا يقوم الواجب إلا به فهو واجب وما يؤدي إلى معصية فهو معصية. (فتح الرحمن: ١٢٤، ١٢٥)

''ہم اسے درست نہیں سمجھتے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ذکوان کی امامت کا جو واقعہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک جزوی اور خصوصی واقعہ ہے، عمومی نہیں ہے اور اگر ائمہ مساجد کو اس کی اجازت دے دی جائے تو قرآن کریم کا حفظ ومراجعہ اور حفاظتِ قرآن کی کوشش وغیرہ تمام امور رفتہ رفتہ رخصت ہو جائیں گے؛ جب کہ یہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے خلاف ہے: ''قرآن پاک کی نگہ داشت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً قرآن کریم رخصت ہونے اور سینوں سے نکل جانے میں اونٹ کے اپنے بندھن سے بھاگنے اور رخصت ہو جانے سے زیادہ تیز ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وسائل کا حکم بھی غایات کے مثل ہے، مثلاً علماء کا قول ہے کہ جس چیز کے ذریعہ کسی واجب کی بقاء اور قیام ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور جو شے کسی معصیت کا ذریعہ ہو وہ شے بھی معصیت اور گناہ ہوتی ہے۔''

کتب فقہ میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے سے متعلق جزئیات:

غنیۃ شرح منیہ، البحر الرائق، تبیین الحقائق، فتح القدیر، ردالمحتار اور بدائع الصنائع وغیرہ میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے سے متعلق مختلف جزئیات ہیں، جن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

۱- قرآن مجید ہاتھ میں لے کر نماز پڑھی جارہی ہو اور امام حافظ قرآن بھی نہ ہو تو امام مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر منفرد (تنہا شخص) نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی بھی نماز فاسد ہوگی اور فاسد ہونے کی دو وجہیں ہیں:

الف: عمل کثیر: کیوں کہ قرآن اٹھانے میں دونوں ہاتھ مشغول رہیں گے، قرآن کھولنے، بند کرنے اور اوراق پلٹنے میں بھی دونوں ہاتھ مشغول ہوں گے۔

ب: تعلیم وتعلّم: چوں کہ اس کو قرآن یاد نہیں ہے دیکھ کر پڑھ رہا ہے تو یہ مانا جائے گا کہ یہ نماز

کے باہر سے لقمہ لے رہا ہے اور لقمہ لینا ایک طرح سے تعلیم وتعلّم ہے؛ اس لیے یہ انسانی کلام کے درجے میں ہوگیا؛ لہٰذا نماز فاسد ہوجائے گی۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اس علت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن هذا يلقن من المصحف فيكون تعلمًا منه، ألا ترى أن من يأخذ من المصحف يسمى متعلما فصار كما لو تعلم من معلم، وذا يفسد الصلاة فكذا هذا. (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۳).

''یہ قرآن سے تلقین ہے؛ لہٰذا قرآن سے سیکھنے کے درجہ میں ہوگیا۔ جو شخص قرآن سے سیکھتا ہے اسے ہر کوئی متعلّم کہتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگیا گویا کہ اس نے معلم سے سیکھا ہے (اگر آدمی نماز کی حالت میں معلم سے سیکھ لے) تو نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی''۔

۲- قرآن ہاتھ میں نہیں ہے؛ بلکہ رحل یا کسی اونچی چیز پر رکھا ہوا ہے، امام یا منفرد اس میں دیکھ کر پڑھ رہے ہیں؛ جب کہ ان کو قرآن یاد نہیں ہے تو اب اگرچہ عمل کثیر نہیں پایا جارہا ہے؛ لیکن دوسری وجہ تعلیم وتعلّم پائی جارہی ہے؛ اس لیے نماز فاسد ہوگی۔

۳- قرآن ہاتھ میں نہیں ہے، جو شخص نماز پڑھ رہا ہے (امام یا منفرد) اسے قرآن یاد ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس کا دیکھ کر پڑھنا یہ درحقیقت اس کے حافظہ کی طرف منسوب ہے؛ اس لیے وہ نماز کے باہر سے لقمہ لینے والا شمار نہ ہوگا، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

واستثنى من ذلك ما لو كان حافظا لما قرأه وقرأ بلاحمل فإنه لا تفسد صلاته لأن هذه القراء ة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف، ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهي الفساد. (الموسوعة الفقهية: ۳۳/۵۷،۵۸)

''فقہاء نے ایک صورت کا استثناء کیا ہے، وہ یہ ہے کہ نمازی جو حصہ پڑھ رہا ہے اس کا وہ حافظ ہے اور قرآن بھی ہاتھ میں نہیں ہے، تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ اس لیے کہ یہ پڑھنا اس کے حافظہ کی طرف منسوب ہے نہ یہ کہ وہ قرآن سے سیکھ کر پڑھ رہا ہے اور قرآن میں دیکھنا قرآن اٹھائے بغیر یہ مفسد صلاۃ نہیں ہے؛ کیوں کہ فساد کی دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں''۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غنية شرح منيه: ٤ ٢٧، البحر الرائق: ۲/۱۷، تبيين الحقائق: ۱/۱۵۹، ردالمحتار: ۲/۳۸٤)

ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ جن مساجد میں ائمہ قرآن دیکھ کر تراویح پڑھاتے ہیں ان

میں اکثر حافظِ قرآن ہی ہوتے ہیں اور قرآن بھی امام کے ایک طرف کسی چیز پر رکھا ہوتا ہے؛ لہٰذا ان ائمہ کا قرآن دیکھ کر پڑھنا یہی مانا جائے گا کہ یہ اپنے حافظہ سے پڑھ رہے ہیں، جب فسادِ صلاۃ کی دونوں وجہیں نہیں پائی گئیں تو اب کوئی اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے؟۔تو عرض ہے کہ فاسد نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نماز من کل الوجوہ درست ہے؛ بلکہ اس میں بہت سی ایسی خرابیاں اب بھی ہیں جو نماز کو کراہت کے درجے سے نیچے نہیں اترنے دیتیں، ماسبق میں وہ خرابیاں تفصیل سے ذکر کی جاچکی ہیں۔

ڈاکٹر صالح بن محمد الرشید نے اپنی کتاب "المتحف في أحكام المصحف" میں قرآن دیکھ کر قرارت کرنے میں جو خرابیاں ہیں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

ويشغل عن بعض سننها وهيئاتها فيفوت سنة النظر في موضع السجود ووضع اليمنى على الشمال ويفضي إلى التشبه بأهل الكتاب فضلا عن كونه إحداثا في الدين لم يرد الشرع بإباحته. (المتحف في أحكام المصحف:٦٥٣)

''قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا نماز کی بعض سنتوں اور نماز پڑھنے کی بعض مخصوص کیفیات کے خلاف ہے؛ چنانچہ سجدہ کی جگہ نظر رکھنے کی سنت فوت ہوجاتی ہے، ہاتھ باندھنے کی سنت فوت ہوجاتی ہے، دیکھ کر قرأت کرنے سے اہلِ کتاب سے تشبہ پیدا ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ دین میں ایسی چیز کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔''

اختتام میں فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''شرح منتہی الإرادات'' کی یہ عبارت ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: ويكره للحافظ حتى في قيام رمضان، لأنه يشغل عن الخشوع وعن النظر إلى موضع السجود. (شرح منتهى الإرادات: ١/٢٤١)

''حافظِ قرآن کے لیے نمازِ تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ یہ خشوع پیدا کرنے میں مخل ہے اور قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ رکھنے سے مانع ہے۔

❁ ❁ ❁

محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کا حکم

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرم الحرام کو سال کے بارہ مہینوں میں خاص طرح کا امتیاز حاصل ہے، صحیح بخاری میں ایک حدیث مبارکہ ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک طویل اور نہایت ہی قیمتی نصائح پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بات بھی تھی:

''(اس وقت) زمانہ اسی رفتار اور ہیئت پر آچکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، جن میں سے تین مہینے یعنی: ذوالقعدہ ذوالحج اور محرم الحرام تو مسلسل ہیں۔ اور ایک ''رجب'' کا مہینہ ہے جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۲۹۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرمان کے مطابق اس ماہ مبارک میں کیے جانے والے اعمال کا اجر بنسبت دیگر ایام یا مہینوں کے زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں روزے رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں محرم الحرام کے روزے ہیں''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۶۳)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں فضیلت محض روزے رکھنے کی ہی نہیں ہے؛ بلکہ اس ماہ کا ہر نیک عمل بہ نسبت دوسرے مہینوں کے بہت بڑھا ہوا ہے؛ چنانچہ اعمال میں سے ایک بڑا اور اہم عمل نکاح کا بھی ہے، معاشرے میں ماہِ محرم الحرام سے متعلق کچھ ایسا تصور اور رجحان عام ہو چکا ہے کہ اس مہینے میں نکاح نہیں کرنا چاہیے حالانکہ شریعت کا مزاج اور احکام اس کی صریح نفی کرتے ہیں۔

''عملِ نکاح'' چاہے کسی مہینے میں ہو، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اور مباح کام کا ناجائز ہونا کسی واضح ممانعت سے ہوتا ہے؛ لیکن اس مہینے میں، یا اس کے علاوہ کسی اور بھی مہینے میں شریعت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ملتی، نہ کتاب وسنت میں، نہ اجماع امت سے اور نہ ہی قیاس وغیرہ سے؛ چنانچہ جب ایسا ہے تو اس ماہ کا نکاح اپنی اصل (مباح ہونے) کے اعتبار سے جائز ہی رہے گا۔

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہائے کرام کا اس بات پر کہ (محرم یا اس کے علاوہ کسی بھی مہینے میں نکاح کرنا جائز ہے) کم از کم اجماعِ سکوتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین اور متقدمین یا متاخرین فقہاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے، جو اس ماہ مبارک میں شادی، بیاہ وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی اس کو منع بھی کرتا ہے تو اس کا منع کرنا بغیر دلیل کے ہوگا اور کسی بھی درجہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اس ماہ میں نکاح سے منع کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ چنانچہ تتبع سے عقلاً اس کی بنیاد اس مہینے کا منحوس ہونا ہوسکتی ہے، یا غم والا مہینہ ہونا (جس کی بناء پر سوگ کو لازم سمجھا جاتا ہے اور سوگ والے دنوں یا مہینوں میں شادی کو جائز سمجھا جاتا)۔ ذیل میں ہر دو امر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

کیا ماہ محرم نحوست والا مہینہ ہے؟

مزاج شریعت سے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی اس مہینے کی نحوست کا قائل نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات سے بہت پہلے سے ہی اس مہینے کا معزز ومکرم اور صاحب شرف ہونا مشہور ومعروف چلا آرہا ہے، حتی کہ زمانے کی ابتدا سے اب تک ہر ذی شان کام کا اسی مہینے میں وقوع پذیر ہونا زبان زدعام ہے؛ بلکہ روایات کے مطابق تو وقوع قیامت کا عظیم الشان واقعہ بھی اس مہینے میں ہوگا۔

چنانچہ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اس مہینہ کو نحوست والا قرار دینا ممکن ہی نہیں، لہٰذا اس بنا پر تو اس مہینے میں نکاح سے روکنا عقلاً بھی درست نہیں ہے۔

کیا ماہ محرم غم والا مہینہ ہے؟

اس مہینے میں شادی سے روکنے والے اگر اس بنیاد پر شادی سے روکتے ہیں کہ یہ غم اور سوگ کا مہینہ ہے لہٰذا اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بیدردی

سے شہید کر دیا گیا تھا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، تو یہ احکامات دینیہ سے ناواقفیت کی علامت ہے؛ اس لیے کہ ''شہادت'' جیسی نعمتِ بے بہا کسی بھی طور پر غم کی چیز نہیں ہے، یہ تو سعادت چیز ہے۔ یہاں سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہ نمائی ملتی ہے؟ تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الف تحیہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے، (صحیح البخاری، کتاب فضائل مدینہ، باب کراھیة النبي ﷺ أن تعری المدینة، رقم الحدیث: ۱۸۹۰، ۳/۲۳، دار طوق النجاة)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے؛ لیکن اللہ کی شان انھیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ (البدایہ والنھایہ، سنة احدی وعشرین، ذکر من توفی احدی وعشرین: ۷/۱۱۴، مکتبة المعارف، بیروت)

جناب رسول اللہ ﷺ کا شوقِ شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں''۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب: فضل الجهاد والخروج في سبیل الله، رقم الحدیث: ۴۹۶۷)

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے، جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو

صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر غور کرلیا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا مہینہ یا دن ہے؟ جس میں کسی نہ کسی صحابیِ رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، مثلاً:

صفر: ۳ھ میں مقام رجیع میں ۸/ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۴ھ میں بئر معونہ کے واقعے میں کئی اصحاب صفہ کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۵۲ھ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

ربیع الاول: ۱۸ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: ۲۰ھ میں ام المؤمنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مقام نہاوند میں ایرانی کفار سے لڑائی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے کے لیے چالیس ہزار مسلمانوں کی فوج بھیجی جس میں تقریباً تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کفار کے تقریباً ایک لاکھ افراد واصل جہنم ہوئے، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مشہور صحابی رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: ۵۰ھ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

جمادی الاولی: ۸ھ میں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ اور اسی سال، اسی مہینے میں حضرت عبادہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ جمادی الاولی: ۸ھ میں ہی غزوہ موتہ ہوا، جس میں کئی جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

جمادی الاخری: ۴ھ میں حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ جمادی الاخری: ۱۳ھ میں صحابی رسول حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۲۱ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۵۰ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی وفات ہوئی۔

رجب المرجب: ۱۵ھ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۲۰ھ میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۴۵ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

شعبان: ۹ھ میں بنتِ رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۵۰ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۹۳ھ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

وفات ہوئی۔

رمضان: ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۲ھ میں بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۱۱ھ میں بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ رمضان: ۳۲ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

شوال: ۳ھ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شوال: ۳۸ھ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

ذوالقعدہ: ۶۲ھ میں مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن مخلد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ذوالقعدہ: ۱۰۶ھ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کا انتقال ہوا۔

ذوالحجہ: ۵ھ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالحجہ: ۶ھ میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: ۱۲ھ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اس پوری تاریخ کا مقتضی تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے۔ اور شادی وغیرہ ہر خوشی اور اظہار خوشی سے گریز کیا جائے؛ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔

نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی ﷺ کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی؛ لیکن کیا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بہ طور یادگار کے منایا؟ نہیں؛ بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی ﷺ سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟! خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی گم راہ کن رسومات سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔

شرعاً سوگ کرنے کا حکم

شرعاً سوگ کرنے کی اجازت صرف چند صورتوں میں ہے اور وہ بھی صرف عورتوں کے لیے نہ کہ مردوں کے لیے:

(۱) ایسی عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں۔

(۲) جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے، اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں۔

(۳) کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن کے لیے۔ اس کے علاوہ کسی بھی موقع

پر عورت کے لیے سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور سوگ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب وزینت اور بناؤ سنگار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلا: خوش بو لگانا، سرمہ لگانا، مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے وغیرہ پہننا، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا، مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ وبکا جائز نہیں۔ نیز! مردوں کے لیے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے نام پر پورے ملک وملت کو عملی طور پر یرغمال بنا لینا کیا معنی رکھتا ہے؟؟!!

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی نہ کرنے کی وجہ یہ بھی نہیں بن سکتی۔

بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک معتبر قول کے مطابق امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی اسی ماہِ مبارک میں ہوئی، اگرچہ اس قول کے علاوہ دیگر اقوال بھی ملتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: تاريخ مدينة الدمشق لابن عساكر، باب ذكر بنيه وبناته عليه الصلاة والسلام وأزواجه: ۱۲۸/۳، دار الفكر۔ تاريخ الرسل والملوك للطبري، ذكر ما كان من الأمور في السنة الثانية، غزوة ذات العشيرة، ٤١٠/٢، دار المعارف بمصر)

محرم الحرام کے دنوں میں فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ سوشل میڈیا پر ایک میسیج بہت زیادہ گردش کرتا ہے، جس میں تین شخصیات کے نکاح کا محرم الحرام میں ہونا مذکور ہوتا ہے:

(۱) زوجہ النبی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

تو اس میسیج کا تحقیقی رُخ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سنہ ۲/ ہجری میں ہوا؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا، تو اس میں تین طرح کے

اقوال ملتے ہیں، محرم الحرام، صفر المظفر اور ذوالحجہ۔ ابن عساکر اور طبری رحمہما اللہ نے محرم الحرام کے مہینے میں نکاح ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

بقیہ دو شخصیات کا نکاح بھی محرم میں نہیں ہوا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۷/ ہجری، ماہ صفر میں ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ۳/ ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں ہوا اور رخصتی جمادی الاخری کے آخر میں ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے مدعی کے ثبوت کے لیے غیر محقق امور کو پیش کرنا مناسب نہیں ہے، معتبر اور محقق بات ہی پیش کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

چند فقہی کتب کا حوالہ

اکابر مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

(الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آں حضرت ﷺ کا فرمان ہے:

''لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر إن تحد علی میت فوق ثلٰث لیال إلا علٰی زوج أربعة أشهر وعشراً''.

ترجمہ: ''جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے؛ مگر شوہر اس سے مستثنٰی ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے''۔ (بخاري، باب: تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشراً إلخ، ص: ۸۰۳، ج:۲، پ:۲۲)، (صحیح مسلم، باب: وجوب الإحداد في عدة الوفات، إلخ، ص: ٤٩٦، ج:١)، (مشکوٰة، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور

شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

''مالابدمنہ'' میں ہے: ''مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔'' یعنی: مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص:۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ ۲: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ۳: ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص: ۹۰، ج:۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ۲/ ۱۱۵، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ۲/ ۹۶، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے! آمین

❁ ❁ ❁

شادی بیاہ کے موقع پر ذات برادری کی تلاش اسلام کی نظر میں

از: مفتی محمد فیاض قاسمی
رہوا، رام پور، وارث نگر، سمستی پور

انسانی تنوع وطبقاتی تقسیم کے باوجود اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر گردانا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا؛ بلکہ بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت وشرف سے نوازا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے محض رنگ ونسل اور طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر کسی انسان کو اعلیٰ اور گھٹیا سمجھنا گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (سورہ الاسراء ۷۰) نیز اسلام کی نظر میں سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورہ حجرات ۱۰) لہٰذا یہ اخوت باہمی اس بات کی متقاضی ہے کہ کسی کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھ کر اور نسب ونسل اور زبان پر تفاخر کرکے صحن اخوت میں اونچ نیچ کی دیوار حائل نہ کی جائے۔

لیکن زندگی کے ہر شعبوں میں کیا آج کا مسلمان اخوت باہمی کے اس زریں اور اسلامی اصول پر کاربند رہتا ہے یا اس کے قدم ڈگمگاتے اور پاؤں پھسل جاتے ہیں؛ تو مشاہدہ یہ ہے کہ بعض مواقع ایسے ہوا کرتے ہیں جہاں دھڑلے سے اس اصول کی پامالی ہوتی ہے۔ ان میں ایک موقع شادی بیاہ کا ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں اچھے اچھے لوگ بھی "انما المومنون اخوہ" کے پیغام کو بھلا دیتے ہیں اور صرف اپنے ہی نسب ونسل اور برادری کو فوقیت اور ترجیح دیتے ہیں اور اس کے علاوہ سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں، کیا وہ رواج کے تابع ہوکر مجبور ہوجاتے ہیں یا پھر اپنی شان وشوکت اور فخر وغرور اور کبر ونخوت کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ وجوہات ان کے خیالات کی محرک ہوسکتی ہیں۔

بعض برادریاں تو واقعتاً ایسی ہوتی ہیں کہ بلاوجہ اپنی دولت وثروت کو شان وشوکت اور عزت وشرف کا ذریعہ سمجھ کر فخر وغرور کی زد میں آجاتی ہیں۔ ان کی یہ سوچ اسلامی نظریہ کے خلاف

ہے۔اسلام نے کسی بھی صورت میں اِس بات کو قبول نہیں کیا کہ کوئی اپنے کو باعزت اور دوسروں کو ذلیل وحقیر اور گھٹیا سمجھے۔

دوسرے یہ کہ شریعت میں ان کے نظریہ کی تائید ہو رہی ہو؛ اسی لیے وہ اس پر مضبوطی سے کاربند رہتے ہیں۔

ہاں؛ شریعت نے شادی بیاہ کے موقع پر آپس میں مماثلت، یگانگت، برابری اور کفائت کا اعتبار کیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان فکر وخیال، معاشرت، طرز رہائش اور دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے اور رشتۂ نکاح مستحکم ہو۔ بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہوکر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لیے احکام نکاح میں شریعت نے کفائت کی رعایت کی ہے۔

احناف کے نزدیک نکاح میں کفائت کا اعتبار نسب، نسل، اسلام، آزادی، مال ودولت، دیانت اور پیشہ میں ہے۔ (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۹۰) یعنی زوجین کے درمیان ذات برادری، دینداری، مالداری، آزادی اور پیشہ وغیرہ میں یکسانیت ہونی چاہیے؛ تاکہ نکاح کا مقصد پورا ہوسکے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”لَا تَنْکِحُوْ النِسَاءَ اِلَّا مِنَ الْاَکفَاءِ“ گویا ذات برادری میں بھی برابری کا اعتبار شریعت نے کیا ہے۔ علامہ کاسانی نے اپنی بدائع میں اس کے ثبوت اور معتبر ہونے میں ایک تفصیلی حدیث پیش کرتے ہوئے اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے، لکھتے ہیں: فماتعتبر فيه الكفائة أشياء، منها النسب، والاصل فيه قول النبي صلى الله عليه وسلم قريش بعضهم اكفاء لبعض والعرب بعضهم اكفاء لبعض حى بحى، وقبيلة بقبيلة والمولى بعضهم اكفاء لبعض رجل برجل، لان التفاخر والتعيير يقعان بالانساب، فتلحق النقيصة بدنائة النسب فتعتبر فيه الكفائة۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۹) چونکہ تفاخر اور عار دونوں چیزیں نسب کی وجہ سے ہی وجود میں آتی ہیں اور نسب کا گھٹیا ہونا نقص اور عیب وشرم کا باعث ہوا کرتا ہے؛ اس لیے نسب میں بھی کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ مذکورہ حدیث یا اس طرح کی اور حدیثوں کو علماء نے عرب میں کفائت فی النسب کے ساتھ خاص کردیا ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ عجمیوں نے اپنا نسب ضائع کردیا ہے اس لیے کفائت فی النسب کا اعتبار ان میں نہیں ہوگا، عجمی سب کے سب برابر ہیں، ان میں ذات برادری کوئی چیز نہیں۔ بعض فقہاء نے اس طور پر استثنا کیا ہے کہ اگر کوئی عجمی واقعتاً ثابت

النسب ہو اور انھوں نے اپنا نسب برقرار رکھا ہو تو پھر ان میں بھی کفائت فی النسب کا اعتبار ہوگا۔ (درمختار مع الشامی باب الکفاءۃ) اور البحر الرائق میں ہے: الحاصل ان النسب المعتبر ھنا خاص بالعرب واما العجم فلا یعتبر فی حقھم ولذا کان بعضھم اکفاء لبعض۔ (بحر الرائق فصل فی الکفاءۃ ج ۳ ص ۱۴۱)

تاہم عرف وعادات پر اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عجمیوں میں بھی بحیثیت عرف کفائت فی النسب کے معتبر ہونے میں کوئی دورائے نہیں ہونی چاہیے۔ زندگی کے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں عرف پر عمل ہوا کرتا ہے۔ جس ملک، جس ریاست اور علاقہ وبستی کا جیسا عرف ہوتا ہے مسلمانوں کو درپیش بعض مسائل میں وہاں کے عرف کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ عرف شریعت کی نص یا مقصد ومصلحتِ معتبرہ سے نہ ٹکرائے، ورنہ فاسد قرار پائے گا؛ جیسے مروجہ جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ کرنا، لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا، گروی زمین وغیرہ سے فائدہ اٹھانا، ایسے رواج کا اعتبار نہیں، یہ فاسد کہلائیں گے۔

چنانچہ امداد الفتاوی (ج ۲ ص ۳۵۵) میں ایک طویل سوال اور اس کا جواب مذکور ہے، جس میں کفائت میں عرف کے دخیل ہونے کی فقہاء کرام کی تائید ذکر کی گئی ہے۔ مختصر عبارت پیش کی جارہی ہے:

سوال: کیا شیخ، سید، مغل، پٹھان، جولاہا، تیلی، گوجر، جاٹ وغیرہ میں معاملہ میں اگرچہ کچھ تفریق معتبر نہیں، مگر امور دینی میں مثلاً نکاح وغیرہ میں یہ سب ایک سمجھے جائیں گے یا کچھ تفاخر کو اس میں دخل ہے؟ زید کہتا ہے کہ شیخ سید کے سوا سب ایک ذات ہے، کچھ تمیز نہ کرنی چاہیے۔ عمر کہتا ہے کہ علاوہ شیخ سید دیگر اقوام جو شریف ہیں مثلاً پٹھان مغل، وہ ہم پلہ ہرگز ذلیل قوم مثلاً جولاہا تیلی کے نہیں ہیں۔ نکاح وغیرہ میں سب کا معاملہ ایک سا نہ ہونا چاہیے۔ اور کفو غیر کفو ہونا علاوہ شیخ سید دوسری قوموں میں باعتبار پیشہ اور چال چلن دنائت وغیرہ کے دیکھا جائے گا اور ایسا تفاخر اور چھوٹی قوم سے نکاح وغیرہ میں عار کرنا شرعاً جائز ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟ الخ.....۔

الجواب: اخرج الدار قطنی ثم البیھقی فی سننھا عن جابر بن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تنکحو النساء الا من الاکفاء الحدیث....الخ وفی فتح القدیر عن الدار قطنی عن ابن عمرؓ مرفوعا الناس اکفاء قبیلۃ بقبیلۃ وعربی بعربی ومولی بمولی الا حائکا اوحجاما....الخ فی الدرالمختار وحرفۃ...الخ فی ردالمحتار۔

ذکر الکرخی ان الکفائة فیها معتبرة عند ابی یوسف وان ابا حنیفة بَنَی الاَمْرَ فیها علی عادة العرب ان مواليهم يعملون هذه الاعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها، واجاب ابويوسف على عادة اهل البلاد انهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدنى من الصنائع فلا يكون بينهم خلاف فى الحقيقة (بدائع). فعلى هذا لوكان من العرب من اهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفائة فيها وحينئذ فتكون معتبرة بين العرب والعجم، وفى ردالمحتار بعد الكلام فى التكافو حرفة عن الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فيدور معه۔ (ج۲ ص۵۲۷)...الخ

مذکورہ بالا عربی عبارتیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے ثابت ہوا کہ قول عمر کا صحیح ہے اور یہ کہ مبنی اس کا عرف پر ہے، جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفائت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو، ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا، كما مر من الاستثناء فى الحديث "الا حائكا او حجاما".....الخ چنانچہ خود عرب میں باہم باوجود تشارک فی شرف النسب کے ان ہی عوارض عرفیہ کے سبب بنو باہلہ کو تکافو سے مستثنیٰ کیا گیا ہے،.....الخ (امداد الفتاوی ج۲ ص۳۵۶)

اس سوال اور جواب سے یہ بات سامنے آئی کہ شیخ، سید میں نسباً کفائت ملحوظ ہوگی اور یہ لوگ اپنے علاوہ دیگر چھوٹی اقوام میں نکاح کرنے کو عار سمجھیں تو یہ شرعاً جائز ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے سوال میں مذکور عمر کے قول کی تائید فرمائی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس میں اصلاً عرف کا اعتبار کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث سے واضح ہے کہ قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہونے کے باوجود قریش ہی کا وہ طبقہ جو حائک یا حجام ہو وہ اس کفاءت سے خارج قرار دیا گیا۔ اسی طرح انہی عوارض عرفیہ کی بنا پر بنو باہلہ کو تکافو سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ پتا چلا کہ عرف ورواج میں جو خاندان عار اور نقص فی النسب کا باعث سمجھا جاتا ہو اس کے یہاں نکاح کرنے سے گریز کرنے میں شرعاً کوئی خرابی کی بات نہیں اور نہ ہی ایسے شخص کو متشدد یا مفتخر فی شرف النسب گردانا جاسکتا ہے۔

اس لیے شادی بیاہ کے موقع پر بغیر کسی ہٹ دھرمی اور شدت کے اسلامی اصول ''اخوت باہمی'' اور کفائت معتبرہ فی النسب کی روشنی میں اپنے علاقہ کے عرف وعادات کے مطابق نکاح اور دو شخصوں اور خاندانوں کے تعلقات کے استحکام اور رشتہ کی پائداری کے لیے ایسا قدم اٹھانا بہتر ہوگا جو ٹھوس ہو اور آگے چل کر شقاق اور تنافر کا باعث نہ بنے۔

علمِ مقاصدِ شریعت: تعارف اور جائزہ

(۱)

از: مدثر جمال تونسوی

''مقاصدِ شریعت'' باقاعدہ ایک علم ہے۔

مقاصد: یہ مقصد کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: میانہ روی جو افراط وتفریط سے پاک ہو۔

قرآن کریم میں ہے:

وَ اقْصِدْ فِی مَشْیِكَ (لقمان:۱۹)

اپنی چال میں میانہ روی رکھو۔

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے:

القصدَ ، القصدَ تَبْلُغُوا (بخاری، کتاب الرقاق)

میانہ روی سے دین پر چلتے رہو، منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

شریعت عربی زبان میں پانی کے منبع اور سرچشمہ کو کہتے ہیں، نیز دین، ملت، طریقہ، سنت اور منہاج پر بھی شریعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔

جس طرح پانی انسانی زندگی کی بقاء اور تروتازگی کے لیے ناگزیر ضرورت ہے، اسی طرح دین اسلام انسانوں کی روحانی اور مذہبی زندگی کی بقاء اور اصلاح کا سرچشمہ اور منبع ہے، اسی دین اسلام سے انسانوں کی دنیوی اور اُخروی فلاح و بہبود اور اللہ تعالیٰ کے ہاں رضامندی جڑی ہوئی ہے۔

مقاصدِ شریعت کا اصطلاحی معنی:

متقدمین اہلِ علم کے ہاں اس علم کا مستقل وجود نہیں تھا؛ بلکہ عموماً تمام دینی علوم اور خصوصاً اصول فقہ کے ذیل میں اس علم وفن سے بحث کی جاتی تھی۔ چنانچہ مصلحت، حکمت، منفعت اور اسرار وغیرہ کی جو تعبیرات علومِ دینیہ میں ملتی ہیں وہی مباحث مستقل موضوع اختیار کرکے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کرگئیں۔

عصر حاضر میں اس موضوع پر ایک مفید ترین کتاب تحریر کرنے والے شیخ نورالدین الخادمی نے اس علم کی جامع ترین تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

المقاصد هی المعانی الملحوظة فی ا لأحکام الشرعیة و المترتبة علیها سواء أکانت تلك المعانی حکماجزئیة أم مصالح کلیة أم سِمات إجمالیة وهی تتجمع ضمن هدف واحد، هو تقریر عبودیة اللّٰه و مصلحة الإنسان فی الدارین (الاجتہاد المقاصدی حجیتہ، ضوابطہ، مجالاتہ۔ ج ۱۔ ص ۵۲)

''مقاصد شریعت سے مراد وہ اَہداف بھی ہیں جو شرعی اَحکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اُن شرعی احکام پر مرتب ہوتے ہیں، چاہے وہ اَہداف جزوی حکمتیں ہوں، کلی مصلحتیں ہوں یا محض اجمالی نشانیاں ہوں اور یہ سب اَہداف اپنے ضمن میں ایک ہی ہدف رکھتے: اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار اور انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں فائدہ مندی''

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک حکیم وخبیر ذات باری تعالیٰ نے شرعی احکام میں اپنے بندوں کے لیے جو فوائد رکھے ہیں وہی مقاصد شرعیہ ہیں۔ مثلاً:

روزے کا فائدہ حصولِ تقویٰ بیان کیا گیا ہے تو یہ تقوی کا حصول مقصدِ شرعی ہے۔

جہاد کا ایک مقصد جارح دشمن کی جارحیت کو دفع کرنا ہے تو یہی شرعی مقصد کہلائے گا۔

نکاح کے مقاصد میں اپنی شرمگاہ اور نظروں کی حفاظت اور اولاد کا حصول پیش نظر ہے تو یہی چیزیں شرعی مقاصد کہلائیں گی۔

الغرض شرعی مقاصد اور مصالح کا باب بہت وسیع ہے؛ مگر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ سب مقاصد اور مصالح آخر کار اللہ تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کی دنیوی اور اُخروی سعادت مندی سے ہی جڑ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:۳۶)

ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے (یہ پیغام دے کر کہ) ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچ کر رہو۔

مقاصدِ شریعت کی بات کو دیگر بعض اہلِ علم نے یوں بھی بیان کیا ہے کہ:

شریعت کے مقاصد بنیادی طور پر دو ہی ہیں:

(۱) دینی اور دنیوی منافع اور مصالح کا حصول۔

(۲) دینی اور دنیوی نقصانات اور فسادات کا دفعیہ۔

یہ الگ بحث ہے کہ اگر کبھی دینی اور دنیوی منفعت میں ٹکراؤ پیدا ہورہا ہو تو پھر کس منفعت کو ترک کریں گے اور کس منفعت کو ترجیح دیں گے؟ اگرچہ اس میں اصولی اور عمومی ضابطہ یہی ہے کہ دینی منفعت کو ہی ترجیح دیں گے؛ لیکن بہرحال یہ موضوع ایک الگ مستقل اور مفصل بحث ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے؛ کیوں کہ فی الحال ہم اس علم کی مبادیات اور تعارف پر گفتگو کررہے ہیں۔

اب تک کی بحث سے ہم نے اس علم کی تعریف جان لی اور ساتھ ہی اس کی غرض وغایت بھی جان لی یعنی کہ: اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ثبوت اور انسان کی دینی ودنیوی سعادت مندی۔

مقاصدِ شریعت کی اَقسام:

اس علم وفن کی تعریف اور غایت جاننے کے بعد اب اس کی اہم ترین اقسام جاننا ضروری ہے۔ اس فن کے اولین معمار امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی الشاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) کی مباحث سے بطور خلاصہ وانتخاب ان اقسام کو بیان کیا جاتا ہے:

(۱) مصالح ضروریہ: اُن اَہداف وغایات کو کہا جاتا ہے کہ اگر وہ ہاتھ نہ آئیں تو انسان کی دنیا یا آخرت برباد ہوجائے۔ مثلاً اگر نکاح اور نماز پڑھنا کہ اگر نکاح کی قدرت ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اس کے باوجود نکاح نہ کیا جائے تو دنیوی فوائد سے محرومی ہے اور اگر شرعی عذر کے بغیر نماز ترک کردی جائے اور اس سے منہ موڑ لیا جائے آخرت برباد ہوجاتی ہے۔

یہ شرعی مقاصد کی سب سے اولین قسم ہے، گویا کہ شریعت نے احکام شرعیہ میں ان مصالح کو علت کے بعد سب سے مقدم رکھا ہے اور یہ پانچ مصالح ہیں جنھیں مقاصد خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ درج ذیل ہیں: (۱) دین کی حفاظت (۲) انسانی جان کی حفاظت (۳) انسانی عقل کی حفاظت (۴) انسانی نسل کی حفاظت (۵) انسان کے مال کی حفاظت۔

گویا اب یوں سمجھیے کہ شریعت نے جتنے بھی احکام دیے ہیں، ان سب میں ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور موجود ہوگی اور بعض میں دو تین یا سب مصلحتیں بھی موجود ہوسکتی ہیں؛ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا ہو جس میں ان پانچ باتوں میں سے کوئی بھی بات موجود نہ ہو۔ ان پانچوں باتوں کی اصل اور بنیاد خود قرآن مجید ہے جو اس فن کے ماہرین اور ماہرینِ

قرآن پر مخفی نہیں۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ پانچوں باتیں آپس میں ہم مرتبہ نہیں؛ ہیں بلکہ ان پانچوں کے باہمی درجات میں تفاوت ہے، مثلاً اگر دین اور جان میں سے کسی ایک کو بچانے کا موقع ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر دین بچانا مقدم ہوگا، اگر چہ جان نہ بچ پائے، اسی طرح اگر جان اور مال میں سے ایک چیز بچائی جاسکتی ہو تو شریعت جان بچانے کو ترجیح دے گی وغیرہ۔

یہ پانچ ضروریات اصول دین میں سے ہیں۔ امام شاطبیؒ نے انھیں ''اصول دین، قواعد شریعت اور کلیات ملت'' کے القاب دیے ہیں جن سے ان کی اہمیت خود بخود واضح ہو رہی ہے۔ مثلاً:

ارکانِ اسلام کا مکلّف اس لیے بنایا گیا؛ تاکہ انسان کا ''دین'' سلامت رہے۔

دیت، قصاص اور زخموں وغیرہ کے احکام اس لیے دیے گئے؛ تاکہ انسانی ''نفس'' کی حفاظت ہو۔

نشہ آور چیزوں اور دیگر لہو ولعت کی ممانعت کی گئی؛ تاکہ انسانی ''عقل'' سلامت رہے۔

گھریلو زندگی سے متعلق احکامات اس لیے دیئے گئے؛ تاکہ انسانی ''نسل'' کو بقاء اور تحفظ میسر آئے۔

خرید وفروخت کے احکامات اور چوری وڈاکہ زنی وغیرہ کی ممانعت اس لیے کی گئی؛ تاکہ انسانی ''مال'' محفوظ رہ سکے۔

اب دیکھ لیجیے کہ شریعت نے کس طرح اپنے احکامات میں ان پانچ باتوں کو ملحوظ رکھا ہے اسی لیے انھیں اصول دین اور قواعد شریعت کا لقب دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو باتیں ان پانچ مقاصد میں سے کسی میں بھی خلل انداز ہوں انھیں شریعت ''مفاسد'' کا نام دیتی ہے اور جن باتوں سے یہ پانچ باتیں سلامت اور محفوظ رہیں انھیں ''مصالح'' قرار دیتی ہے۔

(۲) مصالح حاجیہ: یعنی وہ مصلحتیں جن سے انسانی حاجات وابستہ ہوں اور اگر وہ حاجات پوری نہ ہوں تو انسان تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے، اِن انسانی حاجات سے متعلقہ احکامات میں شریعت نے جو اَہداف مقرر کیے ہیں انھیں ''مصالحِ حاجیہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ مثلاً عذر کے وقت تیمّم کرنا وغیرہ۔

پھر یہ مصالح حاجیہ اپنی اصل میں قسم اول مصالح ضروریہ سے ہی جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً:

نکاح کے احکامات میں شریعت نے جو چیزیں مدنظر رکھی ہیں، ان کا ایک ہدف نسلِ انسانی

کی بقاء اور تحفظ ہے اور یہ بات اوپر بیان ہوچکی ہے کہ نسلِ انسانی کا تحفظ مقاصد خمسہ اور مصالح ضروریہ میں سے ہے۔

اسی طرح تجارت اور کرایہ داری وغیرہ کے احکامات کا ہدف مال کی حفاظت یا اس کی بڑھوتری ہے اور مال کی حفاظت بھی قسمِ اول؛ مصالح ضروریہ میں سے ایک مصلحت ہے۔

ان انسانی حاجات میں شریعت نے عموماً رخصت اور آسانی کی ملحوظ رکھا ہے؛ چنانچہ بوقت ضرورت مردار کھانے کی اجازت اور پانی میسر نہ ہونے یا قدرت نہ ہونے کے وقت تیمّم کا حکم، سفر میں نماز کی قصر اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی سہولت اور رخصت پر مبنی ہے؛ تاکہ انسان اپنی استطاعت کے حدود میں رہتے ہوئے دینی ارکان کو بجالا سکے اور انھیں محفوظ رکھ سکے۔

(۳) مصالحِ تحسینیہ: یعنی ایسی مصلحتیں اور ایسے اہداف جن کی رعایت انسانی کردار اور گفتار میں حسن وخوبی کا باعث ہوں، انھیں مصالحِ تحسینیہ کا نام دیا گیا ہے اور تمام اچھی عادات اور اچھے اخلاق اسی سے جڑے ہوتے ہیں۔ پھر تمام برے اخلاق سے اجتناب برتنا بھی اسی قسم سے متعلق ہے؛ کیوں کہ بری باتوں اور برے اخلاق سے کنارہ کشی خود بخود انسان میں ایک حسن پیدا کردیتی ہے۔

چنانچہ اسراف اور بخل وغیرہ سے اجتناب کرنا، میاں بیوی کے انتخاب میں کفارت کو ملحوظ رکھنا، کھانے پینے کے آداب، حسنِ معاشرت، ستر عورت، نجاست سے پاک رہنا وغیرہ سب اس کی مثالیں ہیں۔

جس طرح مصالح کی دوسری قسم یعنی مصالحِ حاجیہ اپنی انتہاء میں قسمِ اول؛ مصالحِ ضروریہ کی طرف لوٹتی ہیں اسی طرح یہ تیسری قسم؛ مصالحِ تحسینیہ بھی انجام کار مصالح ضروریہ کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔ مثلاً:

طہارت اور ستر عورت کا حکم ''حفظِ دین'' کی طرف لوٹتا ہے۔

کھانے پینے کے آداب اور حرام چیزوں سے اجتناب ''حفظِ نفس'' کی طرف لوٹتا ہے۔

میاں بیوی کا صحیح انتخاب اور حسنِ معاشرت ''حفظ نسل'' کی طرف لوٹتے ہیں۔

حلال کمانا، صحیح خرچ کرنا اور فقیروں کو اپنے مال میں سے حصہ دینا ''حفظ مال'' کی مصلحت کی طرف لوٹتے ہیں۔

یہ ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ مصالح کی دوسری دونوں قسمیں اپنی انتہاء اور انجام کار میں

قسم اول کی طرف ہی لوٹتے ہیں؛ اسی لیے علمائے کرام نے قسمِ اول کو ''اصول دین اور قواعدِ شریعت'' کا نام دیا ہے۔

مقاصدِ شریعت کا سرچشمہ اور مصدر:

مقاصدِ شریعت کی تینوں قسمیں جو اوپر مذکور ہیں، ان کا سرچشمہ اور منبع قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ قرآنِ کریم نے ان باتوں کو اصولی انداز میں بیان کیا ہے اور سنت نبوی میں یہ چیزیں اپنی فروعات اور کافی تفصیلات کے ساتھ سے بیان ہوئی ہیں۔ (الشاطبی ومقاصد الشریعۃ للحمادی العبیدی۔۱۲۳)

اس علم کے فوائد:

اس علم وفن کی معرفت اور اس میں رسوخ وکمال حاصل کرنے کے بہت سے فوائد ہیں، اُن میں سے تین درج ذیل ہیں:

(۱) اس علم وفن کی معرفت سے احکامِ شریعت کی صحیح سمجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ امام جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

من لم یتفطن لوقوع المقاصد فی الأوامر و النواهی فلیس علی بصیرةٍ فی وضعِ الشریعة و هی قبلة المجتهدین ، من توجه إلیها من أی جهة أصاب الحق دائما (البرہان فی اصول الفقہ ،ج۱،ص۲۰۶)

ترجمہ: جو شخص شرعی مامورات اور منہیات کے مقاصد نہ سمجھ سکے تو شرعی احکامات میں صاحبِ بصیرت نہیں بن سکتا، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مقاصدِ شریعت مجتہدین کی کاوشوں کا قبلہ ہیں اور جو شخص کسی بھی مسئلے میں ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ حق پا کر ہی رہتا ہے۔

(۲) قرآنِ کریم اور سنت نبوی کے علوم ومعارف میں باریکی اور گہرائی نصیب ہوتی ہے۔

(۳) وہ نت نئے مسائل اور حوادث جن کے بارے میں کوئی شرعی حکم منصوص نہیں ہوتا، اُن کے صحیح شرعی حکم تک رسائی حاصل کرنے میں یہ علم وفن خاص طور سے مددگار ہوتا ہے۔

(۴) اس علم وفن کا ماہر شرعی احکامات کو لوگوں کے سامنے آسان اور عام فہم بنا کر پیش کرتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهَ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ:۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یَسِّرُوْا وَ لَاتُعَسِّرُوْا وَ بَشِّرُوْا وَ لَاتُنَفِّرُوْا (بخاری، رقم الحدیث ۶۹)

تم آسانی کرو، مشکلات کھڑی نہ کرو اور خوش خبری سناؤ، متنفر نہ کرو!

مقاصدِ شریعت کی ایک دوسری تقسیم:

شرعی احکام میں جو مقاصد اور اَہداف و غایات ملحوظ ہوتی ہیں، اُن کی خود اَحکام کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں: (۱) مقاصدِ عامہ (۲) مقاصدِ خاصہ (۳) مقاصدِ جزئیہ۔

ان کی کچھ وضاحت یوں ہے:

(۱) مقاصد عامہ:

اس سے مراد وہ مقاصد ہیں جنہیں شریعت تمام احکامات میں یا اکثر احکامات میں ملحوظ رکھتی ہے۔ مثلاً:

إنما الاعمال بالنیات: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

یہ ایسا شرعی مقصد ہے جو عموماً شرعی احکامات میں ملحوظ ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ ضابطہ: الضرورات تبیح المحذورات: ضرورت، ممنوع چیز کو مباح بنا دیتی ہے۔

یہ ضابطہ بھی اکثر شرعی احکامات میں بوقت ضرورت جاری ہوتا ہے۔

یہ دو مثالیں ہیں، اُن مقاصد کی جو عموماً تمام یا کم از کم اکثر شرعی احکامات میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

(۲) مقاصد خاصہ:

اس سے مراد وہ اَہداف و غایات ہیں جنہیں شریعت خاص خاص اَبواب میں ملحوظ رکھتی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد فی سبیل اللہ، عقوبات، دیات، معاملات وغیرہ وغیرہ۔

تیونس کے مشہور عالم دین شیخ الاسلام طاہر ابن عاشور قدس اللہ سرہ نے ان مقاصد خاصہ کی درج ذیل تقسیم کی ہے:

گھریلو احکامات سے متعلق مقاصد شرعیہ

اَموال سے متعلق شرعی مقاصد

انسان اور انسانی بدن سے صادر ہونے والے اعمال سے متعلق مقاصد شرعیہ

قضاء اور شہادت (گواہی) سے متعلق شرعی مقاصد
تبرع، ہدایا اور اِحسانات سے متعلق مقاصد
عقوبات سے متعلق مقاصد

(۳) مقاصد جزئیہ:

اس سے مراد وہ شرعی مقاصد ہیں جنہیں شارع کی طرف سے ہر حکم شرعی میں ملحوظ رکھا گیا ہو۔ مثلاً کسی چیز کا واجب ہونا، کسی کا حرام ہونا، کسی کا مندوب ہونا، کسی کا مکروہ ہونا، کوئی چیز کسی حکم کے لیے شرط ہو اور کوئی چیز کسی حکم کے لیے سبب ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس تیسری قسم سے عام طور سے فقہائے کرام بحث کرتے ہیں؛ کیوں کہ وہی حضرات شرعی جزئیات اور دقائق کو حل کرنے میں متخصص ہوتے ہیں؛ البتہ اُن کے ہاں ان مقاصد کے لیے اصطلاحی نام مختلف ہوتے ہیں؛ چنانچہ وہ کسی مقصد کو علت سے، کسی کو حکمت سے اور کسی کو سبب اور شرط وغیرہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہ فرماتے ہیں:

من تتبع مقاصدَ الشرع فی جلب المصالح و درءِ المفاسد حَصَلَ له من مجموعِ ذلك اعتقادٌ او عرفانٌ بان هذه المصلحة لا يجوز إهمالها و إن هذه المفسدة لا يجوز قربانها و إن لم يكن فيها إجماع و لا نص و لا قياس خاص (قواعد الاحکام، ج۲، ص۱۲۰)

جو شخص بھی منافع کی تحصیل اور مفاسد کے دفعیہ میں شرعی مقاصد کو تہہ تک پہنچے گا تو اسے کامل یقین یا کم از کم قابلِ اطمینان معرفت اس بات کی حاصل ہو جائے گی کہ اُن مصالح کو بے کار چھوڑ دینا جائز ہے اور نہ ہی اُن مفاسد کے قریب جانا جائز ہے، اگر چہ اس سلسلے میں نہ تو کوئی اجماع ہو، نہ ہی کوئی نص ہو اور نہ ہی کوئی خاص قیاس ہو۔

(باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

مدارس میں شعبۂ حسابات کا قیام اور اس میں بہتری لانے کی ضرورت

از: نور ولی شاہ
استاذ جامعۃ الرشید کراچی

ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مدرسوں کے اندر کبھی نہ کبھی فتنہ پیدا ہوا ہے اور اختلافات اور جھگڑے ہوئے ہیں، پھر مدرسے یا تو تباہ ہوگئے یا ان کے دو دو تین ٹکڑے ہوگئے۔ ان میں بنیادی کردار حسابات کا تھا۔ بعض مرتبہ پیسوں میں خورد برد ہوتی؛ لیکن ایسے واقعات بہت کم ہوئے۔ زیادہ تر ایسا ہوا کہ حسابات کے اندر بدنظمی تھی۔ حسابات واضح نہیں تھے۔ یعنی اس طرح نہیں تھے کہ کوئی الزام لگائے اور ثابت کیا جاسکے کہ تمھارا الزام غلط ہے۔ (اصلاحی تقریریں جلد ہفتم ص: ۱۱۱)

یہ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی صاحب کے الفاظ ہیں جن سے کسی مدرسے کے شعبۂ حسابات کی حساسیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے مذہبی اقدار کی پاسدار، ان کے دینی اور تاریخی ورثے کی نگہبان ہیں۔ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور رسوم و روایات کی بقا انھیں کے دم خم سے ہے۔ ان کی بنیاد پر ہم بجا طور کہہ سکتے ہیں کہ مدرسے کا فیض مدرسے کی چار دیواری تک محدود نہیں؛ بلکہ پورے معاشرے میں اس کے اثرات پھیلے ہوئے ہیں۔ آج اسلامی ملکوں میں اسلامی فکر اور اس کی تہذیب و تمدن کی جو رہی سہی رنگ و بو باقی ہے، وہ مدرسے اور اس سے مستفیضین ہی کی بہ دولت ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی ادارے کی ترقی یا تنزلی کا دارومدار بنیادی طور پر شعبۂ حسابات کی درستگی پر موقوف رہتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ شعبۂ درست چلے اور اس کے منتظمین نیک، راست باز اور دیانتدار ہونے کے ساتھ ساتھ مالیاتی امور کے ماہر ہوں تو یہ ادارے کے

مستقبل کے لیے نیک شگون کی علامت ہوتی ہے۔اور اگر خدانخواستہ یہ شعبہ مندرجہ بالا صفات سے متصف افراد سے خالی ہوتو بربادی شعبے تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ پورے ادارے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔اس سے ادارے کی تعلیمی صلاحیت غارت ہوجاتی ہے۔اس کی نیک نامی بدنامی میں تبدیل ہوجاتی ہے، اور ادارہ ہر اعتبار سے کھوکھلا ہوکر رہ جاتا ہے۔

ہمارے ہاں چند گنے چنے مدارس کو چھوڑ کر باقی میں یا تو شعبۂ حسابات قائم ہی نہیں کیا جاتا اور مالیاتی امور کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا ہے۔یا ریکارڈ تو رکھا جاتا ہے؛ لیکن اس میں جدت اور بہتری نہیں لائی جاتی اور یوں صدیوں قبل رائج طریقۂ حسابات کے تحت آج بھی کاغذ قلم اور بڑے بڑے رجسٹروں کی مدد سے یہ سب کچھ سرانجام دیا جاتا ہے۔جس میں وقت کا ضیاع الگ، ملازمین کی کثرت اور ان کی تنخواہوں کا بوجھ الگ، حسابات میں خورد برد الگ اور ان سب کو محفوظ رکھنا الگ ایک مستقل مسئلہ بنا رہتا ہے؛ اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ تمام اداروں میں یہ شعبہ قائم کیا جائے اور حسابات میں سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لیے اس میں جدت اور بہتری لائی جائے۔

مدرسے کے شعبۂ حسابات کے بنیادی کام

کسی مدرسے میں قائم شعبۂ حسابات بنیادی طور پر درج ذیل پانچ کام سرانجام دے گا:

(۱) آنے والی آمدنی کا حساب رکھنا (Money in)

باہر سے موصول ہونے والی تمام رقوم کا حساب رکھنا، چاہے وہ زکاۃ کی مد میں ہو، فطرے کے پیسے ہو، عطیات کی صورت میں ملنے والی رقم ہو یا ادارے کی طرف سے قائم کردہ کسی کاروبار کا منافع ہو۔ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ کیٹیگری بنائی جائے گی؛ تاکہ بہ وقت ضرورت حساب کرنے میں آسانی رہے۔

(۲) آدائیگیوں کا حساب رکھنا (Money out)

مدرسے کی جانب سے جو پیسے مدسے سے باہر جارہے ہیں ان سب کا حساب رکھنا۔مثلاً بجلی، ٹیلی فون اور گیس کے بلز کا خرچہ، مطبخ کا خرچہ، ڈسپنسری کا خرچہ وغیرہ۔ان میں سے بھی ہر ایک کی الگ الگ کیٹیگری بنائی جائے۔اس سے ادارے کے تمام مالی معاملات پاک اور صاف رہیں گے، اور یہ معلوم کرنا آسان ہوگا کہ کس مد میں کتنے پیسوں کی ضرورت تھی اور کتنے خرچ ہوئے۔

(۳) مدرسین اور ملازمین کی تنخواہوں کا حساب (Payroll)

شعبۂ حسابات کا تیسرا بڑا کام یہ ہوگا کہ مدرسے میں موجود تدریسی اور غیر تدریسی عملے کی تفصیلی فہرست مرتب کی جائے اور انھیں ان کی حاضری، علمی استعداد اور محنت کے بقدر ماہانہ وظیفہ جاری ہوا کرے۔

(۴) مالیاتی رپورٹس اور بیلنس شیٹس تیار کرنا (Reporting)

مدرسے کے شعبۂ حسابات کا ایک اور اہم کام یہ ہوگا کہ وہ وقتاً فوقتاً ادارے کے مالیات کے بارے میں رپورٹس اور چارٹس مرتب کیا کریں، اور انھیں ادارے کے اساتذہ اور شیوخ کے سامنے پیش کیا کریں؛ تاکہ مدرسے میں اعتماد کی فضاء بحال رہے اور سب کو مدرسے کے مالی معاملات کا پتہ چلتا رہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مدرسے کا انتظامیہ ادارے کے مستقبل کے لیے جامع اور مضبوط منصوبہ بندی بھی کرسکیں گے اور مدرسے کے مالی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے اور مفید اقدامات کرسکیں گے۔

(۵) ادارے کے پورے مالیاتی نظام کو کنٹرول کرنا۔

شعبۂ حسابات کا ایک کام یہ بھی ہوگا کہ مدرسے کے اندر یا باہر مدرسے کے نام پر ہونے والے ہر قسم کے مالی معاملات سے باخبر رہے۔ مدرسے کے نام پر موجود جائداد (Assets)، بنک اکاؤنٹس، وقف املاک اور دیگر بے شمار قسم کے مالیاتی امور کو کنٹرول کرنا شعبۂ حسابات کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ان پانچ بنیادی امور کو سنبھالنے کے لیے جدید شعبۂ حسابات میں دو طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

(۱) نقد حسابات (Cash basis accounting)

اس طریقے میں شعبۂ حسابات میں موجود افراد کسی رقم کا اندراج تب تک نہیں کرتے جب تک اسے وصول نہ کریں۔ وصول کرنے کے بعد اسے (money in) کے کھاتے میں لکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح ادارہ اگر کسی کو کچھ رقم دینا چاہے تو شعبۂ حسابات میں اس کا اندراج تب تک نہیں ہوتا جب تک کہ ادارے سے باقاعدہ ادائیگی نہ ہوجائے۔ ادائیگی کے بعد اسے (Money out) کے کھاتے میں اس کا اندراج ہوتا ہے۔

(۲) غیرنقدی حسابات (accrual basis accounting)

اس میں شعبۂ حسابات کا کام یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہی کسی کے ذمے لازم ہوجائے کہ وہ ادارے کو اتنی رقم دیں گے تو اس شعبہ کے (Money in) کے کھاتے ہیں اس کا اندراج عمل میں لایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ادارے کے ذمے لازم ہوجائے کہ وہ فلاں شخص کو فلاں مد میں اتنی رقم دے گا تو شعبۂ حسابات کے (Money out) کے کھاتے میں اس کا اندراج ہوجاتا ہے۔

اس طریقے میں اگرچہ بہ ظاہر کچھ پیچیدگی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ادارے کو بہت جلد ایک عام اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسے نقصان ہورہا ہے یا فائدہ۔ اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے ادارہ پالیسیاں ترتیب دیتا ہے اور مستقبل کے لیے ازسرِنو منصوبہ بندی شروع کرتا ہے۔

نوٹ:

بڑے بڑے کارخانوں اور کمپنیوں میں شعبۂ حسابات کو عموماً اس دوسرے طریقے پر قائم کیا جاتا ہے۔ اور چھوٹی سطح کے کاروباروں میں شعبۂ مالیات کو پہلے طریقے (cash basis accounting) پر قائم کیا جاتا ہے۔

حسابات کا ریکارڈ رکھنا

مختلف حسابات کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کے لیے شعبۂ حسابات میں دو طریقے رائج ہوتے ہیں:

(۱) روایتی طریقہ (manual recording)

اس میں قلم اور کاغذ کی مدد سے حسابات کے ریکارڈ کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف مدات متعین کیے جاتے ہیں اور ہر ایک کے لیے الگ الگ رجسٹر خاص کیا جاتا ہے، جس میں تمام تر اخراجات کو تاریخ وار درج کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ سادہ ہے۔ اس میں خیانت اور کسی بھی قسم کی مالی خورد برد کا پتہ چلانا مشکل ہوتا ہے۔ نیز وقت اور مال کی بربادی لازم آتی ہے اور غلطی کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔

(۲) خودکار حساباتی طریقہ (automated recording)

اس میں سافٹ ویئر پروگرامز کو استعمال کیا جاتا ہے اور ان کی مدد سے تمام تر حسابات کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف کھاتے اور مختلف مدات پہلے سے سافٹ ویئر میں فٹ

کردیے جاتے ہیں۔دورانِ حساب آپ صرف رقوم کا اندراج کریں گے باقی حساب کتاب کا تمام تر عمل سافٹ ویئر خود انجام دیتا ہے، یہ طریقہ آسان ہے۔سافٹ ویئرز کے استعمال سے وہ لوگ بھی شعبۂ حسابات کو آسانی سے سنبھال سکتے ہیں جو جدید طریقہ حسابات (accounting and auditing) سے مناسبت نہیں رکھتے۔

خودکار حساباتی طریقے کے فوائد

شعبۂ حسابات کو خودکار حساباتی طریقے کے مطابق ڈھالنے میں بے شمار فوائد ہیں، ان میں سے اہم فائدے ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱- اس سے وقت کی بچت ہوتی ہے۔

۲- کام میں آسانی اور سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔

۳- زیادہ ملازمین رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔حسابات کے روایتی طریقے میں اگر شعبے میں پانچ افراد کی ضرورت تھی تو خودکار حساباتی طریقے میں دو بندے سارا کام سنبھال سکیں گے۔

۴- اس میں خیانت کے مواقع کم ہوتے ہیں۔

۵- اگر کہیں کوئی خورد برد ہو بھی جائے تو اس کو ڈھونڈ نکالنا آسان ہوتا ہے۔

۶- کام میں تیزی آجاتی ہے۔

۷- غلطی کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں الا یہ کہ ہندسوں کے اندراج میں کوئی غلطی سرزد ہوجائے۔

۸- تمام تر حساباتی کاروائی کو سافٹ ویئر مختلف رپورٹس، گرافس اور چارٹس کی صورت میں ڈھالتا رہتا ہے، جنہیں سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔اس کے ذریعے آپ روزانہ، ماہانہ اور سالانہ بنیادوں پر رپورٹس آسانی سے ترتیب دے سکتے ہیں، اور انھیں پورے ادارے کے سامنے غور وخوض کے لیے پیش کرسکتے ہیں۔

۹- نیٹ ورکنگ کے ذریعے ایک ہی وقت میں شعبے کے مختلف افراد اس تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔

۱۰- پاسورڈ آپشن کی وجہ سے یہ طریقہ عام روایتی حساباتی طریقہ سے زیادہ محفوظ رہتا ہے۔کوئی بھی شخص آپ کے اکاونٹ اور سافٹ ویئر سے آپ کی اجازت کے بغیر کوئی معلومات حاصل نہیں کرسکتا۔

خودکار حساباتی طریقے کی تنصیب (installation) کا طریقہ

شعبۂ حسابات میں جدت، تیزی اور سہولت پیدا کرنے کے لیے اس کی اٹومیشن بہت ضروری ہوتی ہے۔اس کے لیے کئی طرح کے طریقے اپنائے جاتے ہیں، جنہیں ذیل میں اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اپنے لیے ذاتی سافٹ ویئر تیار کروائیں

ایک فعال اور منظّم شعبۂ حسابات کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ شعبہ کی ضرورت کے مطابق اپنا ذاتی سافٹ ویئر ڈیزائن کیا جائے۔اس کے لیے کسی بھی سافٹ ویئر ہاوس تشریف لے جائیں اور انھیں مدرسے کے شعبۂ حسابات کی تمام تر ممکنہ خدمات کا ایک خاکہ سمجھادیں۔وہ ادارے اور شعبے کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے سافٹ ویئر بنا کے دیں گے۔اس کے بدلے وہ اپنی فیس وصول کرتے ہیں۔یہ فیس ہزاروں سے لے کر لاکھوں تک کی ہوسکتی ہے۔بعض سافٹ ویئر ہاوسز آپ کو یہ سہولت بھی دیتے ہیں کہ ہمیں سالانہ سطح پر فیس دیا کریں جس کے بدلے جب بھی سافٹ ویئر میں کوئی مسئلہ آئے گا یا اس میں کوئی تبدیلی کرنی پڑے تو ہم بغیر کسی اضافی چارجز کے حل کریں گے۔تمام بڑے ادارے اسی پر عمل کرتے ہیں اور وہ اپنے لیے ذاتی سافٹ ویئر تیار کرواتے ہیں۔

اگر آپ کا مدرسہ اور ادارہ چھوٹا ہے تو اس کے لیے الگ سافٹ ویئر بنوانے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ پہلے سے بنائے گئے سافٹ ویئرز سے اپنا کام چلا سکتے ہیں۔

(۲) ایم ایس ایکسل اینڈ ایکسس: (MS excel and MS access)

یہ دونوں پروگرام ایم ایس آفس میں موجود ہوتے ہیں۔ان دونوں کی مدد سے آپ شعبۂ حسابات میں بڑی حد تک بہتری لا سکتے ہیں۔ایم ایس ایکسل میں مخصوص فارمولے فٹ کر کے ایک شیٹ تیار کیا جاتا ہے، جس میں آپ صرف مختلف اعداد وشمار درج کرنے کی زحمت کریں گے باقی تمام تر حساب کتاب ان فارمولوں کی مدد سے خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

ایم ایس ایکسل آسان ہے۔جن مدارس میں حسابات کے لیے کمپیوٹر کا استعمال کیا جاتا ہے ان میں سے اکثریت اسی سے سارا کام چلاتے ہیں۔ایم ایس ایکسس اس سے کچھ ایڈوانس ہے۔اس میں ایم ایس ایکسل کی بہ نسبت زیادہ بہتر کام کیا جاسکتا ہے۔اس میں ڈیٹا بیس بنایا جاتا ہے جس میں درج شدہ مختلف اعداد وشمار کو خودکار طریقے سے جمع کیا جاتا ہے۔

ایم ایس ایکسل اور ایکسس کے لیے الگ سے مفت ٹیمپلیٹ بھی ملتے ہیں جو صرف شعبۂ حسابات کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ان میں تھوڑی بہت تبدیلی سے مدرسے کے شعبۂ حسابات کے مطابق آسانی سے بنایا جاسکتا ہے جس کو کمپیوٹر سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والے افراد بھی آسانی سے چلاسکتے ہیں۔ان ٹیمپلیٹس کو درج ذیل لنک سے مفت ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاون لوڈ لنک:

ایم ایس ایکسل میں شعبۂ حسابات کے لیے بنائے گئے ٹیمپلیٹس یہاں سے ڈاون لوڈ کریں

Smartsheet.com

ایم ایس ایکسس میں شعبۂ حسابات کے لیے بنائے گئے ٹیمپلیٹس کو یہاں سے ڈاون لوڈ کریں Access.templates.com

(۳) فری کوئک بک (Free quick books)

یہ سافٹ ویئر Intuit نامی ادارے نے ڈیزائن کیا ہے۔عام طور پر جتنے چھوٹے اور متوسط کاروبار ہیں، ان میں حسابات کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئک بک کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی اور سافٹ ویئر کی ضرورت نہیں پڑتی۔اس کی شہرت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ستمبر ۲۰۰۵ء تک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اکاونٹنگ مارکیٹ کے ۷۴ فیصد حصے پر کوئک بک قابض ہوا۔مارچ ۲۰۰۸ء کو ایک پریس ریلز کے مطابق 94.2 فیصد چھوٹے اور متوسط کاروباری طبقے کوئک بک استعمال کر رہے ہیں۔

ڈاون لوڈ کرنے کا طریقہ:

اسکو quickbooks.intuit.com سے ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔اس کا موبائل ورژن بھی موجود ہے، جسے پلے سٹور سے مفت ڈاون لوڈ کیا سکتا ہے۔

(۴) پیچ ٹری (PeachTree software)

شعبۂ اکاونٹنگ میں اس سافٹ ویئر کو نمایاں مقام حاصل ہے۔بے شمار تعلیمی اور تجارتی اداروں میں اسی کے ذریعے سے حسابات کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔عموماً چھوٹی تجارتوں کے لیے اسے تجویز کیا جاتا ہے۔اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔اکاونٹنگ سے زیادہ مناسبت نہ رکھنے والے حضرات بھی اس کو آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں۔کئی مدارس میں پہلے ہی سے یہ زیر استعمال ہے۔اس کی نمایاں خصوصیات کو ذیل میں ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

نمایاں خصوصیات

۱- تمام تر معلومات اس کے ہوم پیج پر ہی موجود رہتی ہیں، جنہیں ملاحظہ کرنے میں آسانی رہتی ہے۔

۲- تمام تر حسابات کا توازن balance آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۳- ادارے کو مجموعی طور پر نفع ہو رہا ہے یا نقصان، اس سافٹ ویئر کی مدد سے آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نقصان دہ کھاتے کی فوراً پہچان ہو جاتی ہے اور ادارے کو پہنچنے والے نقصان کے ازالے کے لیے مستقبل میں جامع منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے۔

۴- ادارے کی تمام تر آمدنی اور اخراجات کو ایک جگہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۵- ۲۰۰۸ء کے ورژن میں یہ اضافہ بھی کیا گیا تھا کہ دوران حساب کتاب کسی بل، رسید یا پرچی کو اسکین کر کے اٹیچ کیا جاسکے گا۔ اس سے یہ آسانی ہوگئی کہ سوفٹ ویئر میں متعلقہ اعداد وشمار کے ساتھ باہر سے کسی بل یا رسید وغیرہ کو بھی ساتھ اٹیچ کیا جاسکتا ہے۔

ان نمایاں خصوصیات کی وجہ سے کوئک بکس کی بنسبت Peach tree کو زیادہ شہرت اور پزیرائی ملی۔

(۵) جی این یو کیش (GNU Cash)

یہ بھی اکاونٹنگ کے لیے ایک مفت اور مفید سوفٹ ویئر ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر حسابات کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اس کی مدد سے آپ ذاتی حساب کتاب بھی آسانی سے کنٹرول کر سکتے ہیں اور چھوٹے ادارے کے حسابات بھی۔ اس کا موبائل ورژن بھی موجود ہے جسے پلے سٹور سے مفت ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

اس سافٹ ویئر میں آپ اپنی تمام تر آمدنی، اثاثہ جات اور اخراجات دیے گئے جدول کے مطابق درج کریں گے، جس کے بعد سافٹ ویئر خود کار حسابی عمل سے اعداد وشمار کو جمع یا منفی کر دیتا ہے اور نتیجہ آپ کے سامنے رکھ دیتا ہے۔

نمایاں خصوصیات

(۱) اس میں موجود ڈیٹا کو ضرورت کے وقت شعبۂ حسابات میں موجود کسی دوسرے سافٹ ویئر میں بھی ایکسپورٹ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) اس کا چلانا آسان ہے۔ تھوڑی سی منا بت کے بعد اس سے منا بت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) یہ اکیس زبانوں میں موجود ہے۔اس میں چار زبانوں میں فائلیں بنائی جاسکتی ہیں۔(۱)انگریزی (۲)فرانسیسی (۳)پرتگالی (۴)ہسپانوی۔

(۴) اس میں ہیلپ گائیڈ بھی ہے، جسے دوران استعمال کسی بھی قسم کی رہنمائی لی جاسکتی ہے۔

(۵) ایک ہی ونڈو میں بیک وقت کئی اکاونٹس کھولے جاسکتے ہیں۔

(۶) جو معاملات (transaction) آپ درج کرتے ہیں، ان میں ساتھ ساتھ یہ بھی تحریر کرسکتے ہیں کہ یہ معاملہ مکمل طور پر کلیئر ہوچکا ہے یا اس میں کچھ باقی ہے۔

(۷) اعداد وشمار کو خودکار حسابی عمل سے گزار کر نہ صرف نتیجہ سامنے لاتا ہے؛ بلکہ انھیں مختلف رپورٹس۔چارٹس اور گراف کی صورت میں بھی ڈھال لیتا ہے۔

(۸) ان حسابات اور چارٹس وغیرہ کو پرنٹ بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۹) اس میں عملہ اور ملازمین کی تنخواہوں کا حساب رکھنا آسان ہوتا ہے۔

(۱۰) اس کی سب سے اچھی اور عمدہ خاصیت جو اسے دیگر سافٹ ویئرز سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس میں ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کی مختلف کرنسیوں کو درج کیا جاسکتا ہے۔ اس سے سافٹ ویئر کے حسابی عمل پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ڈاون لوڈ لنک: اس کو درج ذیل لنک سے مفت ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

Gnucash.org

اس کا موبائل ورژن پلے اسٹور پر موجود ہے، جسے پلے اسٹور میں جاکر مفت ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

(۶) آن لائن حسابات

عام سافٹ ویئرز کے علاوہ کئی ویب سائٹس بھی موجود ہیں، جو آپ کو یہ سہولت دیتی ہیں کہ اپنے ادارے کے لیے الگ سے کسی سافٹ ویئر کو خریدنے کے بجائے اس ویب سائٹ میں ایک خاص فیس کے بدلے اکاونٹ کھول دیں اور ادارے کے شعبۂ حسابات کے تمام ریکارڈ کو آن لائن محفوظ کرائیں۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی حادثے یا سانحے کے نتیجے میں ادارے کا تمام ریکارڈ ختم ہوجائے تو بھی اس متعلقہ ویب سائٹ پر موجود آپ کا ریکارڈ محفوظ رہے گا۔یہ ویب سائٹس آپ کا ریکارڈ صرف اپنے پاس تک محفوظ رکھتی ہیں، کسی اور سے انھیں شیئر نہیں کرتی۔

نوٹ:

سائبر کرائم کی وجہ سے عموماً لوگ اس طریقے پر عمل پیرا ہونے سے کتراتے ہیں، خصوصاً ادارے کے مالی معاملات اور حسابات کو کسی ویب سائٹ کے سپرد کرنے سے پہلوتہی کی جاتی ہے؛ اس لیے ریکارڈ کی آن لائن حفاظت کے حوالے سے کوئی باعتماد ادارہ یا ویب سائٹ نظر نہ بھی آئے تو بھی مختلف سافٹ ویئرز اور پروگرامز کے ذریعے سے مدرسے کے شعبۂ حسابات میں جدت اور بہتری لانے کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

شعبۂ حسابات کا قیام اور اس میں جدت اور بہتری لانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ ادارے کے بہتر مفاد میں ہے، اس کے ذریعے نہ صرف ادارے پر لوگوں کا اعتماد بڑھ جائے گا؛ بلکہ معاملات کی شفافیت کی وجہ سے ہر قسم کی کوتاہی اور دھوکہ دہی کا ازالہ ہو سکے گا۔ اس سے غلط فہمی اور غلط بیانی دونوں کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ مختلف سافٹ ویئرز کے استعمال سے نہ صرف ہم اپنا قیمتی وقت اور پیسہ بچا سکتے ہیں؛ بلکہ ساتھ ساتھ کام میں سرعت اور سہولت بھی لا سکتے ہیں۔ جس کام کو سرانجام دینے میں پہلے کئی دن لگتے تھے، آج ان سافٹ ویئرز اور پروگرامز کی مدد سے چند گھنٹوں؛ بلکہ منٹوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

یہ تحریر مدارس کے اربابِ حل وعقد کے لیے لکھا گیا ہے کہ وہ اس بارے میں غور وخوض فرمائیں اور تمام مدارس میں شعبۂ حسابات کے قیام اور اس میں جدت اور بہتری لانے کے لیے عملی اقدامات کریں۔

❁ ❁ ❁

مولانا حکیم ظہیر احمد فیض آبادیؒ: کچھ یادیں کچھ باتیں

از: مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

مولانا حکیم ظہیر احمد قاسمی فیض آبادی ، دارالعلوم دیوبند کے دارالشفاء عظمت ہسپتال میں پچھلے دو ہائیوں سے طب یونانی کے معالج تھے۔عید الفطر کی تعطیل میں وطن گئے ہوئے تھے، وہیں ۱۵/جولائی ۲۰۱۶ء کی شب کو ہارٹ اٹیک ہوا اور چند گھنٹے کی علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون ، غفر اللّٰہ لہ و أسکنہ فسیح جناتہ برحمتہ و فضلہ!

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضع عارب پور ضلع امبیڈکر نگر (سابق ضلع فیض آباد) کے رہنے والے تھے جو قصبہ ہنسور سے پانچ کلومیٹر جانب مغرب اور ٹانڈہ سے دس کلومیٹر جانب مشرق منڈیرہ کے قریب واقع ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۵/جون ۱۹۵۱ء بروز جمعہ مطابق ۹/رمضان ۱۳۷۰ھ میں ہوئی۔ والد کا نام جناب محمد نصیر تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم ہنسور میں حاصل کی جو اس زمانہ میں اس علاقہ کا اہم مدرسہ تھا اور قرب وجوار سے دس دس کلومیٹر سے طلبہ روزآنہ پڑھنے آتے تھے۔ ان کی تعلیم سے دل چسپی اور سعادت مندی کی بات تھی کہ وہ پرائمری تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسلسل پانچ سال تک روزآنہ تقریباً دس بارہ کلومیٹر کی مسافت پیدل طے کرتے۔

ہنسور میں پانچ سالہ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے ضلع فیض آباد کے معروف مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور میں فارسی وعربی کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا جو اس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے شاگرد ومعتمد خاص متکلم اسلام حضرت مولانا ضمیر احمد اعظمیؒ (متوفی ۱۹۹۰ء) کی پرکشش شخصیت کی وجہ سے طالبانِ علوم اسلامیہ کی توجہات کا مرکز بنا ہوا تھا۔

مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور میں تعلیم کی تکمیل کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لیے

دیوبند آ گئے۔ سن ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے جامعہ طبیہ میں داخلہ لیا اور طب یونانی کے چار سالہ کورس کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے گاؤں سے قریب ہنسور-ٹانڈہ روڈ پر ہیرا پور بازار میں مطب کھول لیا اور خدمتِ خلق میں مشغول ہوگئے۔ اللہ تعالی نے دستِ شفا اور دلِ دردمند سے نوازا تھا، کیا ہوا، دیکھتے دیکھتے آپ قریبی دیہات ومواضعات کے جانے پہچانے معالج بن گئے۔ زیادہ تر ایلوپیتھک دواؤں کے استعمال کی وجہ سے انھیں وہاں 'ڈاکٹر' کے لاحقہ سے جانا جاتا تھا۔ بعد میں جب دارالعلوم کے دارالشفاء میں معالج مقرر ہوئے تو یہاں حکیم کا لاحقہ بھی لگ گیا۔

دارالعلوم میں آپ کا تقرر ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ تقرر کی اطلاع وطن میں جب ملی، اس وقت متأمل تھے اور اساتذہ وخیر خواہوں سے اس سلسلہ میں مشورہ بھی کیا؛ کیوں کہ وطن میں جمے جمائے کام کو چھوڑ کر بیوی بچوں کے ساتھ دیوبند آ کر نئی زندگی کی شروعات کرنا آسان نہیں تھا؛ لیکن دارالعلوم کی محبت غالب آئی اور آپ نے دیوبند میں پڑاؤ ڈال دیا۔ پہلے افریقی منزل قدیم کے ایک حجرے میں قیام تھا، بعد میں محلّہ خانقاہ میں دارالعلوم کے ایک مکان کی بالائی منزل میں اہل خانہ کے ساتھ رہتے تھے۔

دارالشفاء ۱۹۹۵ء میں اعظمی منزل کے سامنے پرانی بلڈنگ میں واقع تھا اور اس کے سامنے جامعہ طبیہ کی عمارت ابھی ٹوٹی نہ تھی۔ ڈاکٹر سید نفیس احمد خان جہان پوریؒ دارالشفاء کے ناظم تھے جو جامعہ طبیہ میں آپ کے استاذ رہ چکے تھے۔ استاذ کے ساتھ آپ کو ہمیشہ مؤدب اور متواضع ہی دیکھا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ آپ نے اس رشتہ کو بڑے خلوص اور وفاداری کے ساتھ نبھایا۔ ڈاکٹر نفیس احمد صاحبؒ کے اعلی اخلاق، عالی ظرفی اور شرافت نفسی کے قائل رہے اور پوری عقیدت کیشی کے ساتھ ان کی خدمت کی۔ یہ حکیم صاحب کے حسن اخلاق اور طبعی شرافت کی ایک واضح مثال ہے۔

دارالشفاء میں آپ نے مسلسل اکیس سال تک علاج ومعالجہ کی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر نفیس احمد صاحب کے مرض کے دوران اور وفات کے بعد آپ نے دارالشفاء کی ذمہ داریاں بھی اٹھائیں۔ مریضوں کے ساتھ نہایت خیر خواہی وہمدردی کے ساتھ پیش آتے اور ان کے امراض و مسائل کو حل کرنے کی حد درجہ کوشش کرتے۔ روزآنہ سیکڑوں مریضوں کو نہایت خندہ پیشانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دیکھتے، جن میں طلبہ کے علاوہ قریب و دور کے غریب اور دیہاتی بھی

ہوتے، ہر ایک کے ساتھ آپ کا برتاؤ یکساں تھا۔ ایلوپیتھک دوائیں ڈاکٹر نفیس احمد صاحب تجویز کرتے اور یونانی دوائیں آپ لکھتے۔ کبھی کبھی ڈاکٹر نفیس احمد صاحب کبرسنی اور پیرانہ سالی کے باعث طویل رخصت پر ہوتے تو دونوں حصوں کے مریضوں کو آپ تنہا دیکھتے۔ روزآنہ سیکڑوں مریضوں کو دیکھنا ہوتا۔ ایک بار میں نے شمار کیا تو اندازہ ہوا کہ سال بھر میں ایک لاکھ سے زائد مریضوں کا تناسب ہے، جس میں مریض دیکھنا، دوا تجویز کرنا، رجسٹر اور نسخے میں مریض کی تفصیلات کے ساتھ دواؤں کی تفصیلات درج کرنا اور دوا کی قیمت وصول کرکے روزآنہ کا حساب رکھنا، آپ کی ذمہ داریوں کا حصہ تھا۔ بلاشبہ یہ ملازمت کے ساتھ ایک عظیم الشان خدمت خلق تھی جسے آپ اسی جذبہ سے کرتے تھے۔

اپنے کام، ڈیوٹی اور وقت کے تئیں بڑے ایمان دار اور جزرس واقع ہوئے تھے۔ دارالعلوم میں پابندی کے ساتھ وقت پر آنے، دواؤں کی خرید وفروخت اور دیگر کاموں میں ایمان داری اور جائز وناجائز کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

جد وجہد ومحنت گھٹی میں سمائی ہوئی تھی؛ اس لیے عصر کے بعد سے عشاء تک کے وقت کو ملاقاتوں اور مجالس میں صرف کرنے کے بجائے خدمتِ خلق میں لگایا۔ طبی خدمات کا جو معاوضہ وصول کرتے تھے وہ برائے نام ہی ہوتا تھا۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ مریض کا کم از کم صرفہ میں زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوجائے۔ مشورہ اور پرچہ لکھنے کی کوئی فیس نہیں لیتے تھے۔ ہاں دوا دیتے تو اس کی واجبی قیمت ضرور لیتے؛ مگر پانچ روپئے کی دوا پانچ روپئے ہی میں دیتے، دس کی ہوتی تو دس ہی لیتے۔ کئی بار میں نے عرض کیا کہ رقم کی کوئی کم از کم متعین مقدار رکھ لیں؛ مگر اس پر بالکل راضی نہ ہوتے۔ بسا اوقات واجبی قیمت اگر بہت کم ہوتی تو کچھ لینے سے یکسر منع کردیتے۔ اگر کوئی دوا بازار سے ملتی تو اس کا نسخہ لکھ کر دیتے، اگر کوئی لانے والا مل جاتا تو اپنے دواخانہ کے حوالے سے منگواتے؛ تاکہ دوا رعایتی قیمت پر ملے اور مریض کا کچھ پیسہ اور بچ جائے۔

ذاتی زندگی میں بڑے ملنسار اور مہمان نواز واقع ہوئے تھے۔ دور قریب کا جاننے والا یا وطن کے قرب وجوار کا کوئی شخص آجاتا اور آپ سے ملتا تو ایک دو وقت آپ کے دسترخوان پر کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جاتا تھا۔ ضلع امبیڈکرنگر کے مہمانوں کے سلسلہ میں جان پہچان کی شرط مطلق نہ تھی، وطنی مناسبت دسترخوان پر بلانے کے لیے کافی تھی۔ باہر کے مہمانوں کے علاوہ دیوبند میں رہنے والے احباب واصحاب خورد وکلاں ہر ایک کو موقع بہ موقع دعوتیں دیتے اور بڑی

محبت اور چاؤ کے ساتھ کھلاتے۔ آپ کے دسترخوان پر آئے دن مہمان ہوتے اور آپ کے اہل خانہ بھی بکمال آمادگی ومسرت آپ کے اس جذبۂ مہمان داری کی تسکین میں معاون بنتے۔ مدرسہ کرامتیہ جلال پور سے آپ کے اساتذہ مہمان ہوتے تو بچھ سے جاتے اور دل وجان نکال کر رکھ دیتے۔ ان کے آرام کی خاطر کئی بار تو ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔

۲۰۱۳ء میں آپ اہلیہ محترمہ کے ساتھ حج کے مبارک سفر پر گئے۔ حج سے واپسی کے چند ماہ بعد آپ کا عمرہ کا پروگرام تھا۔ اسی دوران آپ پر مرض کا حملہ ہوا، سخت ہائی بلڈ پریشر کے ساتھ ساتھ پاؤں میں فالج جیسی کیفیت پیدا ہوئی۔ کچھ دن دوا علاج ہوا اور طبیعت قدرے ٹھیک ہوگئی۔ عمرہ کی تاریخ میں بس ایک ہفتہ باقی تھا۔ طبیعت کی خرابی کے باعث ہم لوگوں نے سفر کو ملتوی کرنے کی تجویز دی؛ لیکن انھوں نے مسکرا کر ٹال دیا اور کہنے لگے کہ اگر اس پاک خطۂ ارض میں موت آنا ہے تو زہے نصیب، مجھے تو سفر میں جانا ہے۔

غالباً نومبر ۲۰۱۵ء میں آپ کو ہارٹ اٹیک کا عارضہ پیش آیا۔ پہلے دیوبند اور پھر مظفرنگر میں کئی دنوں تک علاج ہوتا رہا۔ اس حملہ سے آپ جانبر تو ہوگئے؛ لیکن مرض اپنا اثر دکھا گیا۔ نقاہت و نحافت واضح طور پر محسوس ہونے لگی۔ تمام دوا وعلاج اور پرہیز کے باوجود آپ کی ظاہری حالت سے صاف جھلکنے لگا کہ اب حالات اچھے نہیں ہیں۔ بالآخر پہلے حملے کے چند ماہ بعد ۱۴-۱۵/جولائی ۲۰۱۶ء کی شب میں دوبارہ حملہ ہوا اور کاری ثابت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حکیم صاحب اس وقت اکبر پور کے قریب اپنی بیٹی کے یہاں ایک شادی میں گئے ہوئے تھے۔ اہل وعیال اور سامان سفر کے ساتھ اپنے گھر سے پوری تیاری کرکے نکلے تھے؛ کیوں کہ ۱۵/جولائی کی رات کو لکھنؤ ریلوے اسٹیشن سے نوچندی ایکسپریس سے آپ کا ٹکٹ بک تھا۔ رات میں گھر والوں کو کہہ رکھا تھا کہ دوپہر تین بجے تک تیار رہیں، اس وقت نکلنا ہے؛ لیکن اوپر کچھ اور ہی فیصلہ ہو چکا تھا؛ عین اسی وقت تین بجے دوپہر میں وطن عارب پور میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور علماء وصلحاء کی ایک بڑی تعداد نے آپ کو نہر کے کنارے واقع موضع کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا:

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش حاتم کو
ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دریا کے پہلو میں

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

❁ ❁ ❁

خیر الکلام فی کشف أوهام الأعلام

(۱۱)

از: مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی
شیخ الحدیث دارالعلوم، لندن

غزوة (سرية) الرجيع نہ کہ غزوة (سرية) بئر معونه

❁ حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) "الإصابة فی تمییز الصحابة" میں فرماتے ہیں:

و کان فی غزوةِ بئرِ معونةَ، فَأسَرَهُ الْمُشرکون، وقَتَلَتْهُ قریشٌ بِالتَّنعِیم. (الإصابة، ص:٥٦٦، ج:١، دارالفکر: بیروت)

"آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ بئر معونہ میں شریک تھے، پس مشرکین نے آپ کو قیدی بنایا اور قریش نے آپ کو مقامِ تنعیم میں شہید کردیا"

بندہ کہتا ہے:

یہ حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کا وہم ہے، کیوں کہ یہ غزوۂ (سریۂ) بئر معونہ کا واقعہ نہیں ہے؛ بل کہ غزوۂ (سریۂ) الرجیع کا واقعہ ہے، جیسا کہ "صحیح بخاری"، کتاب الجهاد، باب هل یستأسر الرجل الخ، ص: ٤٢٧، ٤٢٨، ج:١، کتاب المغازی، باب بلا ترجمة قبل باب شهود الملائکة بدرا، ص:٥٦٨، ج:٢ اور کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع الخ، ص:٥٨٥، ج:٢ وغیرہ کتب حدیث وسیَر کی روایات سے واضح ہے۔

اور اہلِ سیر ومغازی کی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی دونوں غزوات: سرایا کو الگ الگ مانتے ہیں؛ چناں چہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونة وحدیث عضل والقارة وعاصم بن ثابت وخبیب وأصحابه کے ذیل میں فتح الباری میں ہے:

﴿تنبیه﴾: سیاق هذه الترجمة یوهم أن غزوة الرجیع وبئر معونة شيء واحد، ولیس کذلك کما أوضحته، فغزوة الرجیع کانت سریة عاصم وخبیب فی عشرة

أنفس وهی مع عضل والقارة، وبئر معونة كانت سرية القراء السبعين وهی مع رعل وذكوان. (فتح الباری، ص:۱٦۳، ج:۹، دارطيبة: الرياض)

رسول اللہ ﷺ عمر میں بڑے ہیں یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ؟

❁ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات:۱۰۱۴ھ) "مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح" میں تحریر فرماتے ہیں:

و كان ﷺ أسنّ منه (أی من عمّه وأخيه من الرضاعة: حمزة بن عبدالمطلب رضی اللّٰه عنه). (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب المحرمات، الفصل الأول، حديث عليّ رضی اللّٰه عنه، ص: ۲۲٤، ج:٦، إمداديه: ملتان)

''اور رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے۔''

بندہ کہتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے ہونے کا قول وہم ہے؛ اس لیے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں علیٰ اختلاف القولین دو یا چار سال بڑے تھے۔ علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۵-۶۳۰ھ) وغیرہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ سے دو سال بڑے ہونے کے قول کو "اصح" قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) "الاصابة فی تمييز الصحابه" میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

ولد قبل النبی صلی اللّٰه عليه وآله وسلم بسنتين وقيل: بأربع. (الاصابة، ص:۳۵۳، ۳۵٤، ج:۱، دارالفكر: بيروت)

علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۵-۶۳۰ھ) "اسد الغابة فی معرفة الصحابة" میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

و كان حمزة رضی اللّٰه عنه وأرضاه أسنّ من رسول اللّٰه ﷺ بسنتين، وقيل: بأربع سنين، والأول أصح. (اسد الغابة، ص:٦۷، ج:۲، العلمية: بيروت)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۳٦۸-۴٦۳ھ) "الاستيعاب فی معرفة الأصحاب" میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

كان أسنّ من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وآله وسلم بأربع سنين، و هذا لايصح

عندی؛ لأن الحدیث الثابت أن حمزة و عبد اللّٰہ بن عبدالأسد أرضعتهما ثویبة مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم إلا أن تکون أرضعتهما فی زمانین.

وذکر البکائی عن ابن إسحاق قال: کان حمزة أسنّ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآه وسلم بسنتین. (الاستیعاب، ص:۴۲۳، ۴۲۴، ج:۱، العلمیة: بیروت)

"مرقاة المفاتیح" کی عبارت میں صیغۂ صلاۃ وسلام: صلی اللہ علیہ وسلم، "کَانَ" کی ضمیر مرفوع متصل کے بعد ہونے کی بجائے "مِنْهُ" کی ضمیر مجرور متصل کے بعد ہوتا، یعنی وَکَانَ أَسَنَّ مِنْهُ صلی اللّٰہ علیه وسلم ہوتا، تو کلام صحیح ہوتا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں بڑے تھے۔

حضرت علی نہیں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کے حوالے کی تھی

❁ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ) فرماتے ہیں:

عربوں میں اَقوامِ یونان کی طرح دُختر کُشی کی بے ہودہ رسم، قدیم زمانے سے جاری تھی اور وہ اِس بے رحمی اور سفّاکی کے اِس درجہ خوگر ہوگئے تھے کہ اُن کے خیال میں یہ کوئی عیب بھی نہ رہا تھا۔ جس وقت قرآن نے دارِآخرت کا ہول ناک منظر اُن کے سامنے اِن الفاظ میں پیش کیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ☆ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ [التکویر:۸،۹]

(اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟)

تو اُن کو اپنی اولاد سے گزر کر غیروں کی اولاد کے ساتھ ایسا رشتۂ محبت واُلفت پیدا ہوگیا کہ عُمرۃ القضا سے فارغ ہوکر، بہ وقت واپسی مدینہ طیبہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی پر تین صحابیوں کی نزاع قائم ہوگئی۔ حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک اُس کا حقِّ حضانت (پرورش) اپنے لیے ثابت کرتا تھا اور ایک جو دلیل پیش کرتا تھا، دوسرا اُس کو رَد کردیتا تھا، یہاں تک کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بہ قاعدۂ شرعی لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کرکے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو أشبهتَ خَلقی وخُلُقی اور حضرت زید کو أنت أخونا ومولانا فرماکر تسلی دی۔ (مقالاتِ عثمانی، ص:۲۴۲، ۲۴۳، دارالمؤلفین: دیوبند، طبع اوّل:۱۴۱۳ھ)

بندہ کہتا ہے:

لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا تھا، اس نقل میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۂ اللہ کو وہم ہوا ہے۔ درحقیقت اس لڑکی کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خالہ کو بہ منزلۂ امّ قرار دے کر لڑکی حضرت جعفر رضی اللہ

عنہ کے حوالے کی تھی، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے۔ "صحیح بخاری" میں ہے:

..... فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَبِعَتْهُم ابْنَةُ حَمْزَةَ يَا عَمِّ يَا عَمِّ، فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ: دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا (حمّليها). فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ. فَقَالَ عَلِيٌّ: أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي. وَقَالَ جَعْفَرٌ: بنتُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحتِي. وَقَالَ زَيْدٌ: بنتُ أَخِي. فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ: الخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ. وَقَالَ لِعَلِيٍّ: أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ. وَقَالَ لِجَعْفَرٍ: أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي. وَقَالَ لِزَيْدٍ: أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلاَنَا. (صحيح بخاری، كتاب الصلح، باب كيف يكتب الخ، ص:۳۷۲، ج:۱، كتاب المغازی، باب عمرة القضاء، ص: ٦١٠، ج:۲، قديمی: كراچی)

"فتح الباری" میں ہے:

قوله: "فقضى بها النبى ﷺ لخالتها" فى حديث ابن عباس المذكور (فى "شرف المصطفى" لابى سعيد وفى "الإكليل" للحاكم) فقال النبى ﷺ: جعفر أولىٰ بها. وفى حديث علي عند أبى داود وأحمد أما الجارية فلأقضى بها لجعفر. وفى رواية أبى سعيد السكرى: ادفعاها إلى جعفر فإنه أوسع منكم. وهذا سبب ثالث. (فتح البارى، كتاب المغازى، باب عمرة القضاء، ص:۵۷۸، ۵۷۹، ج:۷، دارالريان: القاهرة)

ملحوظہ:

دارالریان: القاہرۃ کی مطبوعہ (الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء) "فتح الباری" کے نسخہ میں کتاب الصلح کی روایت میں سقوط واقع ہوا ہے، جس کی وجہ سے کسی کو وہم ہوسکتا ہے، جو "مقالاتِ عثمانی" میں ہوا ہے؛ چناں چہ مذکورہ "فتح الباری" میں روایت اس طرح ہے:

.... فاختصم فيها عليٌّ وزيدٌ وجعفرٌ. فقال عليّ: أنا أحقُّ بها وهى ابنة عمّى وحالتُها تحتى. وقال زيدٌ: ابنة أخى. فقضى بها النبيُّ ﷺ لخالتها وقال: الخالة بمنزلة الأمّ... (فتح البارى، ص:۳۵۸، ج:۵، دارالريان: القاهرة)

یہاں وهى ابنة عمّى کے بعد وقال جعفرٌ: ابنة عمّى ساقط ہوگیا ہے۔

❁ ❁ ❁

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس

تصنیف: حجۃ الاسلام مولانا امام محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ

تدوین حواشی: مولانا محمد اسحاق مدرس مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا

صفحات: 240 کتابت وطباعت عمدہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے علم وفضل، ورع وتقوی، تقریر وتحریر، مذہبی وسیاسی اور تعلیمی خدمات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک ایسی شخصیت تھی، جس کی مثالیں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی چنی ہوتی ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی عملی کاوشوں سے اس خطے کی تاریخ پر انمٹ ثرات مرتب کیے ہیں اور تاریخ کے دھارے کو اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں موڑا ہے۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ آج برصغیر میں جہاں جہاں علمِ دین کی کوئی کرن موجود ہے وہ زیادہ تر اس آفتابِ علم کا عکس ہے بحرِ علم وحکمت کے اس شناور کو اللہ رب العزت نے جو علوم ومعارف عطا فرمائے تھے، ان کی مثال اس دور میں خال خال ہی ملتی ہے، اس مردِ باخدا نے اس زمانے میں ہندوستان کے اندر حق کی آواز بلند کی جب وہاں حق کے پرستاروں کے لیے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں جہاد بالسیف وجہاد بالقلم، جہاد باللسان خوب کیا اور آخر میں دیوبند میں دارالعلوم کے نام سے ایک ایسا چشمۂ فیض جاری کیا، جس سے ایک عالم سیراب ہورہا ہے۔

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس: حضرت امام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تصنیف ہے، جس میں آپ نے ''تحذیر الناس'' پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور اس کے ساتھ عظمت ومقامِ نبوت اور عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو احسن انداز میں تحریر کیا ہے۔ مثلاً

۱- ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کون ومکان زمین وزمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے شرف نہیں۔ (ص:۵۰)

۲- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمینوں کے نبی اور بادشاہ ہیں۔ (ص:۸۳)

۳- معترض کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

کیا صاحبِ تحذیر کی ان تصریحات پر آپ کی نظر نہیں پڑی جن میں منکرِ ختمِ نبوت کا کافر ہونا

ظاہر ہے اور کیا ان کی وہ تقریر نہیں دیکھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت انبیائے ماتحت بھی خاتمِ زمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (ص: ۹۷)

۴- ہمارا ایمان ہے کہ عالم شہادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد نہ کوئی نبی ہوا، نہ ہوگا، نہ اس زمین پر نہ کسی اور زمین پر اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوا نہ ہوگا، نہ یہاں نہ کہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے لیے مثل خاتمیت زمانی خاتمیت مرتبی کے بھی اسی لفظ خاتم النّبیین کی دلالت کے باعث قائل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء علیہم السلام کہنا ضروری ہے اور پھر بہ ایں نظر کہ ہر صفت اپنے موصوف بالذات میں بوجہ اتم ہوتی اور اوروں میں اس کا فیض اور اس سے کم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق افضل کہنا لازم ہوگا۔ (ص: ۹۸-۹۹)

یہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے، پوری کتاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور عظمتِ شان سے بھری ہوئی ہے، جسے پڑھ کر دل عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے معمور ہوتا ہے اور قلب و دماغ کے دریچے کھلتے ہیں، کتاب مجموعی طور پر عام فہم ہے؛ لیکن بعض جگہ پر دقیق مباحث بھی آگئے ہیں۔

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والی یہ مبارک کتاب ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں تھی اور اس کی طباعت کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا کے مایہ ناز مدرس مولانا محمد اسحاق نے بڑی جستجو سے اس کو حاصل کیا اور بڑی محنت کے ساتھ اس پر کام کیا۔ عنوانات اور مختصر حواشی لگائے اور افادۂ عام کے لیے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے علمِ دین کی ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ اس کے آخر میں ختم نبوت اور صاحبِ ''تحذیر الناس'' کے نام سے مولانا محمد سیف الرحمن قاسم حفظہ اللہ کا مقالہ بھی ملحق ہے، جس میں قادیانی اور ان کے ہم نواؤں کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں۔ بہر کیف! کوئی شک نہیں کہ ختمِ نبوت، مقامِ نبوت اور عقائدِ اہل السنۃ والجماعۃ جاننے کے لیے یہ کتاب ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی اشاعت سے اسلامی ادب کی ثروت میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے، ہماری رائے میں یہ کتاب ہر لائبریری اور ہر دینی اور علمی ذوق رکھنے والے مسلمان تک پہنچنی چاہیے۔

ملنے کا پتہ مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

00923216353540